بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وانّ من الشّعر الحکمۃ ۰

ترجمہ: اور بعض شعر بنی بر حکمت ہوتے ہیں۔ (حدیثِ نبوی)

"شعر گوئی کام ہے آتش مرصّع ساز کا"

ایک انوکھا اور اچھوتا تحقیقی مقالہ

اسلام میں شاعری کی حیثیّت

از رشحاتِ قلم

محقّق العصر علّامہ پیر سیّد نصیر الدّین نصیؔر گیلانی

سجّادہ نشین آستانۂ عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

تمام پڑھنے والوں سے عاجزانہ درخواست ھے کہ میرے بچوں کی صحت اور تندرستی کیلئے دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

نیاز مند۔ فاروق حسین گولڑوی

اِسلام میں شاعری کی حیثیّت اور متعلّقاتِ شعر پر ایک تحقیقی نظر

شاعری کے متعلّق بعض لوگ عجیب قسم کی رائے رکھتے ہیں، جو خود اچھا شعر کہہ لیتے ہیں، اُن کے نزدیک یہ قدرت کا ایک عظیم انعام ہے، مگر جو نہیں کہہ سکتے، وہ اسکے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتے اور تمسخر تک اڑا دیتے ہیں۔ آیئے آج ہم دیکھیں کہ کلامِ مطلق بہ صورتِ نثر کیا چیز ہے اور کلامِ منظوم یعنی شعر و شاعری کی کیا حیثیّت ہے۔ اِس سلسلے میں بہت سے مباحث پر گفتگو ہو گی، امیّد ہے کہ مضمون کی طوالت قارئین میں اکتاہٹ پیدا نہیں کرے گی۔ کیوں کہ یہ موضوع نازک بھی ہے اور قدرے تفصیل طلب بھی۔ ہم کوشش کریں گے کہ کلام کے مختلف زاویوں کو سامنے رکھ کر بات کو آگے بڑھائیں، تاکہ شعر و شاعری کے جملہ معائب و محاسن قارئین پر واضح ہو سکیں۔

کلامِ موزوں کو شعر کہتے ہیں۔ موزوں سے مراد یہ ہے کہ الفاظ مخصوص رِدَم اور وزن میں ہوں، شعر کا لغوی معنٰی "جاننا" ہے اور اصطلاح میں کلامِ مخیّل و موزوں کو شعر کہتے ہیں۔ ایک دوسری تعریف کے مطابق جمہور کلامِ موزون و مقفّٰی کو شعر کہتے ہیں۔ تو گویا

تعریفِ شعر کے چار اجزاء ٹھہرے۔ نمبر1 کلام، نمبر2 تخیّل، نمبر3 وزن، نمبر4 قافیہ (یعنی اشعار کے آخری حروف کا ایک جیسا ہونا) پھر شعر کے مختلف اوزان ہیں، جنہیں علم عروض کی زبان میں بحر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رِدَم اور لے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ردَم کے تسلسل کو دُھن کہتے ہیں۔ دھن ماتروں کی مجموعی صورت کا نام ہے، جسے عربی میں ضرب اور اصطلاحِ موسیقی میں ماترہ کہا جاتا ہے۔ پھر ماتروں کے حساب اور تعیّن کے مطابق لے اور تال کی تعیین کی جاتی ہے۔ موسیقی اور شاعری کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کیوں کہ موسیقی میں لے کو سُر سے زیادہ اہمیّت حاصل ہے۔ چنانچہ ماہرینِ موسیقی کے نزدیک یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ بے سُرا منظور مگر بے گُرا یعنی بے لے نامنظور۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جسے ہم بے سُرا کہتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ لے کا پکّا ہو۔ چوں کہ سُر سے زیادہ رِدَم سماعت کو ذوق دیتا ہے۔ اس لئے اساتذۂ موسیقی کے نزدیک بے سُرے انسان کو تو قبولیّت مل سکتی ہے، مگر بے لے کو نہیں۔ یہی لے (رِدَم) کلامِ موزوں اور غیر موزوں میں خطِ امتیاز کھینچتی ہے، گویا شعر وہ ہوگا جس میں رِدَم اور وزن ہوگا۔ ماہرینِ عروض اِسی کو شعر کہتے ہیں۔ جس طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر گلوکار ایک ماہر لے کار بھی ہو، اِسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ محض وزن میں کلام کر لینے والا یعنی شاعر افکار اور تخیّل کے اعتبار سے بھی اُتنا ہی بلند اور ماہر ہو۔

خوش آوازی اور چیز ہے اور لے کاری بالکل اور چیز۔ ایک خوش آواز انسان جس قدر اپنی آواز کا جادو جگا سکتا ہے، اُسی قدر اگر وہ لے کار بھی ہو تو اِسے نورٌ علٰی نور والا معاملہ سمجھنا چاہئے۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص وزن میں شعر کہہ سکنے کے ساتھ بلندیٔ تخیّل، زبان و بیان اور رعایتِ لفظی اور دوسرے محاسنِ شعری پر بھی قدرت رکھتا ہو تو دنیائے فن میں ایسے باکمال انسان کو کلاسیکی شاعر یا ایسی شاعری کو کلاسیکل شاعری کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کلاسیکل شعراء میں خواجہ حافظ شیرازیؒ، امیر خسرو دہلویؒ، مولانا جامیؒ، مولانا رومیؒ، مرزا عبدالقادر بیدلؒ اور علّامہ اقبالؒ سرِ فہرست ہیں۔

اُردو میں میر تقی میرؔ، غالبؔ، مصحفیؔ، داغؔ، ابراہیم ذوقؔ، میر انیسؔ وغیرھُم کے نام بھی لیے جاسکتے ہیں۔ عربی ادب میں شعرائے جاہلیّت کے چند شاعر، جنہیں کلاسیکل ادب کا اُستاد کہا جاسکتا ہے۔ اُن میں متنبّی، حسانؓ بن ثابت، صاحبانِ سبعہ معلّقہ، لبیدؔ وغیرھُم شامل ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل رِدَم یعنی لَے کی اہمیّت کے بارے میں اگر غور کیا جائے تو کائنات کی ہر شے ایک خاص رِدَم سے دوچار ہے۔ لَے کی حقیقت اور اہمیّت سمجھنے کے لئے قرآنِ مجید کی دوچار آیات سے استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوا۔ والشّمس تجری لمستقرٍلھاذ لك تقدیر العزیز العلیمo ترجمہ:اور سُورج چلتا ہے اپنے ایک قرارگاہ کیلئے، یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔

والقمرقدّر ناہ منازل حتّی عادَ کا لعُرجون القدیمo ترجمہ:اور چاند کیلئے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ پھر ہوگیا، جیسے کھجور کی پرانی ڈالی۔

لاَ الشّمس ینبغی لھا ان تُدرِك القمروَ لاَ الیل سَابقُ النّھار وکل فی فلكٍ یسبحَوُنَ۔

ترجمہ:سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک ایک گھیرے میں تیر رہا ہے۔

انا کل شیءٍ خلقنٰہُ بقدَرٍ ۔ترجمہ:بے شک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا کی۔

واذالنّجوم انکدرَت۔اور جب تارے جھڑ پڑیں: وَاذالسّماء کُشِطت ترجمہ:اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے۔ اِن آیاتِ محوّلہ بالا سے یہ نتیجہ بخوبی ظاہر ہے کہ خالقِ ارض وسماء نے کائنات کی ہر چیز کو ایک مربوط و منضبط نظام کے تحت پیدا کیا اور رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اِسی ارتباط و ترتیب کے حوالے سے ہی کلام، سُر اور لَے کی موزونیت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

جب ہر جرمِ فلکی اپنے مقرّرہ محور میں تیر رہا ہے اور تیرنے کیلئے رفتار ضروری ہے۔ تو رفتار لَے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔

هُوَالّذی جعَلَ الشّمس ضیاء وّ القمرَ نورًا و قدرهٗ منازلَ لتعلموا عدَد السنین والحساب ماخلق الله ذلِك اِلّا بالحقِّ

ترجمہ: وہی ہے جس نے سُورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند کو چمکتا اور اس کیلئے منزلیں ٹھہرائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو، اللہ نے اسے نہ بنایا مگر حق، نشانیاں مفصّل بیان فرماتا ہے علم والوں کیلئے۔

لطیفہ: ایک منکرِ قرآن اور ملحد شخص نے امام غزالیؒ پر اعتراض کیا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے۔کل فی فلكٍ یسبحون کہ ہر ایک سیّارہ ایک دائرے اور گھیرے میں تیر رہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر جرمِ فلکی (سیّارہ) سیدھا تیرتا ہے ایک ہی جانب جبکہ ہم دیکھتے ہیں کچھ سیّارے اُلٹے بھی تیرتے ہیں۔ آج اِدھر سے اُدھر اور کل اُدھر سے اِدھر۔ قرآن نے یہ نامکمّل بیان کیوں کیا ہے؟ اس پر امام غزالیؒ نے اُسے سمجھایا کہ کاغذ قلم لے آؤ جب وہ لے آیا تو آپ نے یہ لفظ کاغذ پر قلم سے لکھے۔کُل فِی فلكٍ فرمایا ان حروف کی ترتیب یہ ہے ’’ک ل ف ی ف ل ک‘‘ اِن حروف کو جدھر سے بھی پڑھو ترتیب ایک ہی ہے۔ لٰہذا اِس آیت کے اِن حروف کی ترتیب ہی یہ راز آشکار کر رہی ہے۔ کہ سیّارے اُلٹے سیدھے جس طرح بھی چلیں اور تیریں اُن کا بیان قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ وہ معترض یہ جواب سُن کر مبہوت و حیران رہ گیا اور قرآن کی بلاغت و جامعیّت پر عش عش کر اُٹھا۔

کل فی فلك یسبحون سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جرمِ فلکی اپنے مقرّرہ محور میں تیر رہا ہے۔ تیرنے کے لئے رفتار ضروری ہے اور رفتار لَے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ آیۂ واذالنّجوم انکدَرت میں ستاروں کے بے چال ہونے اور بکھر جانے کا ذکر ہے۔ جسکے معنی ہوئے کہ جب ستارے اپنی مقرّرہ چالیں چھوڑ دیں گے۔ یعنی بے لَے کر دیئے جائیں

گے تو اُن کے بے چال اور بے لے ہو جانے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اختتامِ سلسلۂ کائنات اور آغازِ لمحۂ قیامت۔ تیسری آیت میں فرمایا۔ ہم نے ہر شے کو ایک مقرّرہ مقدار میں پیدا کیا۔ مقدار سے مُراد اُس کا جسمِ مادی بھی ہے۔ اور اُسکا مزاجِ رفتار بھی۔ اور رفتار میں لے کا وجود بھی۔

اِن آیات میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ رِدَم یعنی لے قیامِ کائنات کی اساس ہے، جس دن لے کا یہ مربوط نظام بے چال کر دیا جائے گا تو کائنات کی محسوس ہونے والی یہ خوبصورت حقیقت ایک افسانہ بن کر رہ جائے گی یا پھر بقولِ علاّمہ سیمابؔ ؎

دفعتاً سازِ دو عالم بے صدا ہو جائے گا
کہتے کہتے رک گئے جس دن ترا افسانہ ہم

اِس بات کو ایک نہایت خوبصورت انداز میں بِرج نرائن چکبستؔ ہندو شاعر نے بھی بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے اِنہی اجزا کا پریشاں ہونا

یعنی کائنات کی ہر شے جن عناصرِ تخلیقیّہ سے مرکّب ہے (جیسے کہ انسان عناصرِ اربعہ، آگ، ہوا، مٹی اور پانی سے) اُن میں اگر ترتیب قائم رہے تو یہی قیام و ظہورِ ترتیب زندگی کہلاتا ہے اور اگر اُنکی ترکیب بکھر جائے اور پریشان ہو جائے تو اِسی کو موت کہتے ہیں۔ گویا نظامِ کائنات میں کنٹرول، ترتیب اور ضبط، اِسی کا نام حیات ہے، ثابت ہوا کہ بقائے کائنات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ترتیب و انضباط کا لحاظ فرمایا ہے، اِسی ترتیب کے کلام اور آواز کی مناسبت ملحوظ رکھنے کو رِدَم اور شعر یعنی کلامِ موزون کہتے ہیں۔

حُجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف احیاء العلوم میں جہاں موسیقی پر تفصیلی بحث کی وہاں خوش آوازی اور لحن کے علاوہ رِدَم اور لے کی اہمیّت پر بھی عقلی دلائل پیش کیے۔ ایک دلیل یہ بھی دی کہ لے کے اندر اگر ذوق اور کیفیّتِ انہماک نہ ہوتی، تو روتا

ہوا شیر خوار بچہ گھنٹی کی مسلسل آواز سُن کر خاموش کیوں ہو جاتا ہے، جھولے کی مخصوص رفتار جب ایک مسلسل لَے کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو بچہ اُس کی خنک لوریوں میں جھول کر رونا بند کر دیتا ہے۔اِس قسم کی عام فہم مثالوں سے لَے کی اہمیّت واضح ہوتی ہے۔

لَے کی اہمیّت پر ایک لطیفہ: ایک مرتبہ دورانِ سفر ریل گاڑی میں ایک مولانا سوار ہوئے وہ موسیقی سے خاصے بیزار نظر آتے تھے اور موسیقی اُن سے بیزار۔ غالبًا وہ کسی دوسرے مسلک سے تعلّق رکھتے تھے۔جب خانقاہ کے حوالے سے میرا تعارف ہوا، تو فرمانے لگے آپ لوگ ایسے غیر اہم مشاغل میں منہمک رہتے ہیں کہ توبہ بھلی۔مَیں نے عرض کی قبلہ ذرا وضاحت تو فرمائیے۔بولے یہی تبلے کی تھاپ اور قوالیاں۔مَیں نے کہااِس کی شرعی حیثیّت کو ذرا چھوڑیئے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔آپ نے چونکہ تبلے کی تھاپ کا ذکر کیااور مَیں فطری طور پر لَے اور سُر کا شعور رکھتا ہوں،اِس لیے اتنا کہوں گا کہ آپ لَے کو غیر اہم چیز نہ کہیے۔جب وہ میری بات اور لَے کی اہمیّت کو نہ سمجھ سکے، تو مَیں نے مولانا سے کہا کہ اسٹیشن قریب ہے، فیصلہ ابھی ہو جائے گا۔ کہنے لگے،وہ کیسے؟ اسٹیشن یہ مسئلہ کیسے حل کر دے گا۔جب گاڑی اسٹیشن کے قریب آکر آہستہ ہوئی اور پھر دھیرے دھیرے اور آہستہ ہوتی گئی تو مَیں نے کہا مولانا! اب مسئلہ کے حل کا وقت قریب آچکا ہے، اُٹھیے،وہ اُٹھ کر کھڑے ہوئے،مَیں نے کہا کہ اب آپ پلیٹ فارم کی طرف نہیں بلکہ اُسکی مخالف سمت کی طرف اُتر کر دوڑیئے۔کہنے لگے کہ جدھر گاڑی جارہی ہے اُدھر کیوں نہ دوڑوں۔مَیں نے کہا کہ اگر آپ اُدھر اُتر کر دوڑیئے گا تو مسئلہ حل نہیں ہو گا۔کہنے لگے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔مَیں نے کہا سُنیئے!اگر آپ جس طرف گاڑی جارہی ہے اُس طرف اُتر کر بھاگتے ہیں تو آپ کو تھوڑی دیر گاڑی کی رفتار کے ساتھ بھاگنا پڑے گااور جب آپ اپنی رفتار پر قابو پاکر آہستہ آہستہ دوڑتے جائیں گے تو کچھ دیر بعد آپ رُک بھی سکتے ہیں اور موت سے بھی بچ سکتے ہیں اور اگر گاڑی کی مخالف سمت اتریں گے تو بے لَے ہو جانے کی وجہ سے دھڑام کر کے ایک مرتبہ

گر کر مر بھی سکتے ہیں۔ خیر یہ بات اُن کی سمجھ میں آ گئی۔ اگلے اسٹیشن پر میں نے تجربۃً اپنے ایک ساتھی کو اُلٹی طرف اترنے کو کہا تو اُس نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ ابھی میرا مرنے کا ارادہ نہیں۔ مولانا تب جا کر کہیں لے اور ردم کی اہمیّت کے قائل ہوئے۔

یہ واقعہ لکھنے سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تخلیقات کی طرح لے بھی کائنات میں ایک حقیقت ہے، جسے ہم ہر تخلیق کا اہم جزو بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہی لے شعر کا بنیادی وصف ہے۔ اس کے بغیر شعر کو شعر نہیں کہا جا سکتا۔ دریاؤں کا بہاؤ، سمندر کا تلاطم، ہواؤں کا خرام، آوازوں کا زیر و بم زمین اور فضاؤں میں اُڑنے والے پرندوں اور جہازوں کی اُڑان اور اجرامِ فلکی کی مختلف چالیں، در حقیقت اسی لے کی مرہونِ منّت ہیں۔

دیکھا دیکھی شعر موزوں کر لینا اور بات ہے اور باقاعدہ شاعر ہونا اور شاعری کرنا بالکل اور بات ہے۔ بعض لوگ صرف وزن میں الفاظ جوڑ کر اپنے آپ کو شاعر سمجھ بیٹھتے ہیں اور بعض اوزانِ شعر کا شعور نہ رکھنے کے باوجود محض تُک بندی کی بنیاد پر خود کو بڑا شاعر سمجھ لیتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں شاعری کی تعریف کے سراسر خلاف ہیں۔

یہاں ہم اپنی مطالعاتی محنت اور ذوق کے تحت دنیائے شعر سے متعلّق اساتذۂ عروض کی تصریحات اور اُن کی پیش کردہ تعریفاتِ اصطلاحات کا اجمالی ذکر مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ بعض سہل انگاروں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ شاعری صرف چند اُلٹے سیدھے لفظوں کو جوڑ لینے یا وزن میں دو مصرعے کہہ لینے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک باقاعدہ اور مشکل ترین فن ہے، جسے ہم ایک باقاعدہ علمِ موہوبی بھی کہہ سکتے ہیں، ایسا علم جس کا سلسلہ وماعلّمناہُ الشّعر پر منتہی ہوتا ہے، جسے خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ایک علم قرار دیا، کیونکہ علّمنا کا مادۂ اشتقاق ثلاثی مجرّد کی صورت میں علم ہی قرار پاتا ہے۔ اگر شعر گوئی کوئی باقاعدہ علم یا فن نہ ہوتا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے اِس کے انتفائے نسبت کے وقت مادۂ علم سے مشتق لفظ استعمال میں نہ لایا جاتا۔ اِس سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ شاعری نبیؐ کے شایانِ شان نہ

ہونے کے باعث نبیؐ کے لئے درجۂ علم نہیں رکھتی، مگر غیرِ نبی کے لئے ایک باقاعدہ علم کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ کہ علمِ شعر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم شدہ علم ہے، جسے بندوں کو اُن کے ظرف کے مطابق تعلیم کیا جاتا ہے، لیکن یہ بات خصائصِ نبویؐ میں سے ہے کہ اللہ نے اِس علم کی آپؐ سے نفی کر دی۔ اب ذرا دنیائے عروض کی سیر ملاحظہ ہو۔

شعر کہنے کے لیے سب سے ضروری چیز ''موزونیّت'' ہے۔ جسے خُداداد سمجھئے۔ موزونیّت سکھانے یا بتانے سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہاں جن لوگوں کو موسیقی (گانے بجانے) سے کچھ دلچسپی ہے اُن کے لیے طبیعت کا موزوں کر لینا کسی قدر آسان ہوتا ہے۔ کسی خاص شعری بحر کو سامنے رکھتے ہوئے کسی راگ میں آواز موزوں کرتے رہنے سے یعنی گنگنانے سے اکثر موزونیّت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ تقطیع کرنے کے قاعدوں پر اگر حضورِ توجہؔ سے غور کیا جائے تو بھی شعر موزوں ہو سکتا ہے۔ شعر کہنے کے لیے علم کی سخت ضرورت ہے۔ مگر معمولی علم والے بھی اگر چاہیں تو شعر کہہ سکتے ہیں۔ جو لوگ علوم کے ماہر ہوں انہیں زیادہ مشکل کا سامنا نہیں ہوتا۔ اِس لیے شاعری سیکھنے سے پہلے علم حاصل کر لینا ضروری ہے۔

عقلاء اِس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ کلام کی دو قسمیں ہیں۔ منظوم اور منثور۔ منظوم کا مصدر نظم اور منثور کا نثر ہے۔ ان کی مختصر تشریح ملاحظہ ہو۔

نظم: نظم کا لغوی معنیٰ موتی پرونا ہے۔ اصطلاحاً وہ کلام جس میں موزونیّت (موسیقی) پائی جائے اور جو بالقصد کہا جائے، اس کی دس (10) قسمیں ہیں۔ فرد، رباعی، قطعہ، غزل، قصیدہ، مثنوی، ترجیع بند، ترکیب بند، مستزاد اور مسمّط۔

فرد بروزنِ گرد، بمعنیٰ یکتا، تنہا اور طاق۔ مگر شاعرانہ اصطلاح میں اِسے شعر کہتے ہیں۔ شعر دو مصرعوں کا ہوتا ہے اور مصرعہ کہتے ہیں دروازے کے کواڑ کو۔ دو کواڑ ملتے ہیں تو ایک دروازہ بنتا ہے۔ اس طرح دو مصرعے مل کر ایک شعر بنتا ہے۔ فرد کی مثال ؎

عشق کا عالم کیا کہیے
جیسے کوئی نیند میں ہو

رباعی: رباعی بروزنِ دُلائی بمعنٰی منسوب بہ رُبع۔ فارسی میں اس کو ترانہ کہتے ہیں اس کا موجد رودکی ہے۔ عربی میں رُبع کے معنی چوتھائی کے ہیں۔ کیونکہ رباعی چار مصرعوں کی ہوتی ہے اِس لیے اِس کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ عروضی لحاظ سے چوبیس (24) اوزان میں کہی جاتی ہے۔ اساتذۂ ماسبق ان چوبیں لفظوں کے خط کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ وزن بحرِ ہزج مثمّن سالم سے نکالا گیا ہے۔ مثال از علّامہ فوؔق سبزواری مرحوم صاحبِ فکروفن۔

اظہارِ شہود کی ضرورت کیا تھی
اِس نام و نمود کی ضرورت کیا تھی
جب مر کے عدم کو پھر بسانا ہوگا
دنیا کے وجود کی ضرورت کیا تھی

واضح ہو کہ رباعی کا مفہوم چوتھے مصرعہ پر منحصر ہوتا ہے اس لئے چوتھا مصرعہ نہایت چست اور بامعنٰی ہونا چاہیئے۔ ایسا کہ پہلے والے تین مصرعوں سے بلحاظِ مفہوم مربوط بھی ہو۔

قطعہ۔ بروزنِ حصّہ بمعنٰی ٹکڑا۔ یہ وہ نظم ہوتی ہے جو کم سے کم دو شعروں سے ترتیب دی گئی ہو۔ پہلے تو قطعہ میں مطلع نہیں ہوتا تھا مگر ذوؔق نے مطلع کو بھی قطعہ میں لکھا ہے۔ ہر وہ غزل قطعہ ہے، جس میں مطلع نہ ہو، مگر واضح ہو کہ قطعہ کا موضوع غزل سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ غزل کا ہر شعر علیحدہ ہوتا ہے اور قطعہ کے اشعار میں بلحاظِ مضمون تسلسل ہونا چاہیئے۔ مثال۔

کیا وہ جینا جس میں ہو کوشش نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ، یا سب یہیں کے واسطے؟

ذوقؔ عاصی ہے تو اِس کا خاتمہ کیجو بخیر
یا الٰہی اپنے ختم المرسلیں کے واسطے

غزل اور قصیدے میں اکثر قطعہ بند اشعار ہوتے ہیں۔

غزل۔ بروزنِ اثر۔ بمعنٰی حُسن و محبت کی باتیں کرنا۔ چنانچہ غزل میں تغزّل کا ہونا شرطِ اوّل ہے، مگر فی زمانہ غزل میں فلسفہ، منطق، سائنس، ہیئت، بہار و خزاں، مناظرِ قدرت اور فطری جذبات جیسی باتوں کا ذکر بھی شامل ہے۔ غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ طلوع بمعنٰی نکلنا گویا مطلع سے غزل شروع ہوتی ہے۔ مطلع میں دونوں مصرعے ردیف اور قافیہ رکھتے ہیں۔ غزلِ داغؔ مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

غزل کا آخری شعر مقطع ہوتا ہے۔ مقطع میں شاعر اپنا تخلص نظم کرتا ہے جس کی وجہ سے سامعین یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ غزل فلاں شاعر کی ہے جیسے غالبؔ کا مقطع ہے ؎

غالبؔ بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

قصیدہ: بروزنِ ملیدہ بمعنٰی موئے مغز۔ وہ نظم جس میں کسی کی مدح یا ہجو ہو۔ قصیدہ بھی غزل کی طرح ہوتا ہے، مگر فرق صرف اتنا ہے کہ غزل میں حسن و عشق، ہجر و وصال کا مضمون ہوتا ہے۔ قصیدوں میں حمد، نعت، منقبت، مدح، ہجو، نصیحت، شکایتِ روزگار وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ قصیدہ میں کم سے کم بیس (20) اشعار ہونے چاہئیں۔ زیادہ کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ قصیدہ اکثر قافیہ اور ردیف کے نام سے مشہور ہوتا ہے۔ مثلاً اگر قافیہ کنول، آنچل ہے تو اس کو لامیہ کہیں گے۔ اگر آفتاب ردیف ہے جیسے بہار آفتاب، قرار آفتاب تو قصیدۂ شمسیہ ہوگا۔ اقسام نظم میں قصیدہ کا لکھنا مشکل ہے اس کے لئے کہ شوکتِ الفاظ اور

عمدہ تراکیب کے علاوہ مضمونِ دقیق، معانیٔ بلند اور استعارۂ نازک کی ضرورت رہتی ہے، متاخرین غزل اور قصیدہ ایک ہی طرز پر لکھتے ہیں۔ قصیدہ دو قسم کا ہوتا ہے خطابیہ اور تمہیدیہ۔ قصیدہ قصد سے مشتق ہے بمعنٰی کسی جانب متوجّہ ہونا۔

خطابیہ: وہ قصیدہ جس میں مطلع سے آخری شعر تک شاعر کسی خاص مقصد کے تحت سامعین کو مخاطب کرے۔ اس میں وعظ، پند، مدح، ہجو وغیرہ شامل ہیں اس میں تمہید نہیں ہوتی۔

تمہیدیہ: تمہید کے معنٰی لُغت میں ہموار اور درست کرنا کے ہیں۔ یہاں بھی شاعر ایک خاص مقصد کو بیان کرتا ہے، تمہیدیہ قصائد میں پہلے تشبیب پھر گریز پھر خطاب یامدّعا اِس کے بعد دعااور آخر میں خاتمہ کے متعلّق اشعار ہوتے ہیں۔

تشبیب: بروزنِ تدبیر بمعنٰی ایّامِ شباب کاذکر کرنا۔ اس کو تمہید بھی کہتے ہیں۔ لغوی معنٰی جوانی کاحال اور معشوق کی صفت بیان کرنا ہیں، کیونکہ شاعر نفسِ مضمون کو معشوق کے ذکر سے بلند کرتاہے اس لئے اِس کو تشبیب کہا گیا۔

گریز: بروزنِ منڈیر بمعنٰی بھاگنا۔ اصطلاحِ شاعری میں ایک مضمون سے ہٹ کر دوسرے مضمون کی جانب آنے کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ شعر جو تشبیب کے بعد نفسِ مضمون کی جانب اشارہ کرے۔ گریز جس قدر خوبصورتی کے ساتھ کیا جائے گا اُسی قدر قصیدہ اچھا ہوگا۔

خطاب: بروزنِ عتاب، بمعنٰی بات کرنا، گریز کے بعد شاعر مدّعا بیان کرتا ہے اس کو خطاب کہتے ہیں۔

دُعا: بروزنِ خُدا بمعنٰی مانگنا، خواہش۔ وہ اشعار جو بطورِ دعا نظم کیئے جائیں۔

خاتمہ: بروزنِ فاطمہ، بمعنٰی انجام وہ اشعار جن پر قصیدہ ختم کیا جائے۔ نوٹ۔ مثال کے لئے دیکھئے قصائدِ سوداؔ اور ذوقؔ وغیرہ۔

مثنوی: بروزنِ سرسری بمعنٰی منسوب بہ مثنٰی جس کے معنٰی دو کے ہیں۔ چونکہ مثنوی

کے ہر بیت میں دو قافیہ مختلف ہوتے ہیں اِسی نسبت سے اس کو مثنوی کہا گیا ہے اس کی ترتیب تمہید (توحید، نعت، مناجات، ساقی نامہ وغیرہ ہوتی ہے) مثنوی کے تمام ارکان ایک ہی وزن پر ہوتے ہیں اس کے اشعار کی تعداد معیّن نہیں۔ مثنوی میں عام طور پر قصے کہانیاں نظم ہوتی ہیں، مگر اب واقعات بھی لکھے جاتے ہیں۔ مثال میں مثنوی میر حسنؔ اور گلزار نسیم دیکھئے یا حالیہ مثنوی پیام ساوتری کا مطالعہ کیجئے۔

ترجیع بند: وہ نظم جو غزل کی طرح ردیف اور قافیہ کی پابندی سے لکھی جائے اور ان اشعار کے بعد ایک مطلع دوسری ردیف و قافیہ میں لکھا جائے جو موضوع کے مطابق ہو اور یہ مطلع ہر بند کے آخر میں بغیر تبدیلی کے آتا ہے۔

ترکیب بند: یہ نظم ترجیع بند کی طرح لکھی جاتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ بند کا مطلع تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ دیکھئے ترکیب بندِ حالیؔ مرحوم۔

مستزاد: بروزنِ مستجاب بمعنیٰ زیادہ کیا گیا۔ رباعی یا غزل کے وزن میں ہر مصرعہ کے بعد ایک یا دو رکن اسی وزن کے اور بڑھادیں۔ پہلے تو صرف رباعی کے وزن کو مستزاد کیا جاتا تھا مگر اب غزل کے وزن کو بھی مستزاد کرلیا جاتا ہے مثال ع

پھر ذرا کہہ دیجئے ہنس کر کہ دیکھا جائے گا ، آپ کا کیا جائے گا

مسمط: بروزنِ مسبّغ بمعنیٰ لڑی میں موتی پرونا۔ لُغت میں تسمیط جمع کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں چند متفق الوزن والقافیہ مصرعوں کو ایک جگہ جمع کرنا۔ اس کی آٹھ قسمیں ہیں۔ مثلّث، مربّع، مخمّس، مسدس، مسبّع، مثمّن، متسّع، معشّر۔

بہر حال شعر کے لوزام و محاسن کو سامنے رکھتے ہوئے شعر کہنا انتہائی مشکل کام ہے ندرتِ فکر اور بلندیِ تخیل کے ساتھ ساتھ ابلاغِ مفہوم کے لیے الفاظ کا چناؤ اس قدر کٹھن مرحلہ ہے کہ اللہ اکبر۔ خواجہ آتشؔ نے ایسی ہی شاعری کے لئے کہا تھا۔ ع

شعر گوئی کام ہے آتشؔ! مُرصّع ساز کا

نگینوں کی طرح الفاظ کا رکھنا، اِسطرح کہ اگر کوئی اُس کو اُٹھالے اور کوئی دوسرا لفظ اُسکی جگہ رکھنا چاہئے تو شعر بے جان ہو کر رہ جائے۔ مثلاً غالبؔ نے ایک مصرعہ میں ایک بھاری بھرکم لفظ رکھ دیا، جو بظاہر نثر کا معلوم ہوتا ہے، مگر کوئی بڑے سے بڑا شاعر اور زبان دان اُسکی جگہ اُس سے بہتر کوئی لفظ نہیں رکھ سکتا۔ وہ مصرع یہ ہے۔ ع

تھی وہ اِک شخص کے تصوّر سے

اِس مصرع میں شخص کی جگہ آپ اور کوئی لفظ نہیں لا سکتے اور اگر لائیں گے تو شعریّت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اساتذہ کی شاعری اور آج کل کی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج کے اکثر شاعر جو الفاظ استعمال کرتے ہیں، اُن سے بہتر الفاظ کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ مگر اساتذۂ متقدّمین جب شعر کہتے تھے تو یہ تمام گنجائشیں ختم کر دیتے تھے۔

کلامِ موزون کا شعر ہونا بطریقۂ احسن بیان ہو چکا۔ لیکن شعر و شاعری کی شرعی حیثیّت پر بھی کلام کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض اساتذۂ سخن اور محقّق علمائے اسلام نے اِس موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ ہمارا یہ مختصر مقالہ اس کا متحمّل نہیں تاہم بالاختصار اس پر ہم کچھ ضرور عرض کریں گے۔ جو لوگ شعر گوئی کو ناجائز اور منافیٔ علم و تحقیق خیال کرتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے دو دلیلیں آیاتِ قرآنیہ کے حوالے سے دیتے ہیں۔ پہلی آیت جو زیادہ پیش کی جاتی ہے۔ سورۂ یٰسین شریف میں ہے۔ وما علمنٰهُ الشعر وما ینبغی له۔ ترجمہ: اور ہم نے اُن (محمد ﷺ) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ شاعری اُن کے شایانِ شان ہے۔ اِس آیتِ محوّلہ بالا سے استدلال کرتے ہوئے معترضین کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے مجمع الکمالات بنایا اور آپ سے ہر نقص و رِجس کی نفی کر دی ہے۔ اگر شاعری کوئی کمال والی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو شاعری کی تعلیم دینے کی نفی نہ کرتا۔ شاعری کیونکہ اچھّی چیز نہیں اس لئے اللہ نے اُس کی ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے نفی کر دی۔

اِس اعتراض کے متعدّد جوابات ہیں۔ نمبر 1 وما علّمنٰہُ الشعَر کی حکمت و علّت ومایَنبغی لہ ہے یعنی صرف رسولِ اکرم کی ذاتِ اقدس کے شایانِ شان شاعری نہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ فی نفسہٖ شاعری کسی کیلئے بھی جائز و مناسب نہیں۔ کیونکہ قرآنِ مجید کی فصاحت و بلاغت بے مثال ہے اور اِس میں باعتبارِ فواصل ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو فنِّ شاعری کے حوالے سے کلامِ موزون (شعر) محسوس ہوتی ہیں۔ اور اِسی بنا پر منکرینِ قرآن یہ کہتے تھے کہ یہ شاعرانہ کلام ہے اس میں قوافی، ردیف، وزن کا خیال رکھّا گیا ہے اِسی لئے یہ کلامِ مخلوق ہے اور محمدؐ شاعر ہیں اور یہ اُن کا موزون کیا ہُوا کلام ہے۔ اِس شکّ و اعتراض کا دفعیّہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہیں تو یہ فرمایا وماھو بقولِ شاعرٍ اور وہ (قرآنِ مجید) کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ اور کہیں وما علمنٰہُ الشعر و ماینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین فرمادیا۔

نوٹ: ہم یہاں ایک نہایت باریک و لطیف نکتہ امامِ اجلّ علّامہ فخر الدّین رازیؒ کی تفسیرِ کبیر سے بیان کرتے ہیں۔ جس میں سابقہ اعتراض کا جواب بھی باریک نظر سے نظر آئے گا۔ فرماتے ہیں۔

(البحث الاوّل) خصّ الشعر بنفی التعلیم مع ان الکفار کا نوا ینسبون الی النبی ﷺ اشیاء من جملتھا السحر ولم یقل و ما علمناہ السحرو کذلك کانوا ینسبونہ الی الکھانۃ ولم یقل وما علمناہ الکھانۃ۔ ترجمہ نبیٔ اکرم ﷺ کی ذات سے بطورِ خاص تعلیمِ شعر کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ کفّار حضور اکرم ﷺ کی طرف جادو اور کہانت بھی منسوب کیا کرتے تھے اللہ نے یوں نہیں فرمایا کہ "ہم نے پیغمبرؐ کو جادو کی تعلیم نہیں دی" اور نہ یوں فرمایا "ہم نے پیغمبرؐ کو کہانت کی تعلیم نہیں دی" اس بات کا جواب دیتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ فنقول أما الکھانۃ فکانوا ینسبون النبیّ ﷺ الیھا عند ما کان یخبر عنِ الغیوب و یکون کما یقول و اما السحر فکانوا

ينسبونه اليه عند ما كان يفعل مالا يقدر عليه الغير كشق القمر و تكلم الحصى و الجذع وغير ذلك و اما الشعر فكانوا ينسبونه اليه عند ما كان يتلوا القرآن عليهم لكنه ﷺ مَا كَان يتحدى اِلا بالقرآن كَما قالَ تعالىٰ وان كنتم فى ريب مما نزلنا علىٰ عبدنا فأتو بسُورةٍ من مثلهٖ اِلىٰ غير ذلك ولَم يقُل ان كنتم فى شكٍ من رسالتى فأ نطقوا الجذوع او اشبعوا الخلق العظيم أ و آخبرُوا بالغيوب فلمّا كَان تحديه ﷺ بالكلام و كانوا ينسبونه الى الشعر عندالكلام خصّ الشعر بنفى التعليم۔

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ کفّار نبی پاک ﷺ کو کہانت کی طرف اُس وقت منسوب کرتے تھے جب حضورؐ غیب کی خبریں دیا کرتے اور آپؐ کی خبر کے مطابق وہ بات اُسی طرح ظہور پذیر ہو جاتی اور جادو کی طرف آپؐ کی نسبت اُس وقت کرتے جب حضورؐ کے دستِ مبارک سے ایسے واقعات صادر ہوتے جو کسی غیر کے بس کی بات نہ ہوتے جیسا کہ چاند کو ٹکڑے کرنا کنکریوں اور درختوں وغیرہ سے کلام کرانا، لیکن شعر و شاعری کی نسبت اُس وقت کرتے جب آپؐ اُن کے سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے نیز آپؐ نے چیلنج بھی کفّار کو صرف قرآنِ پاک کے حوالے سے دیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ "اے کافرو! اگر تم اس کتاب کی صداقت کے بارے شک وشُبہ میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے عبدِ مقدّس پر نازل کی تو اس کی مثل ایک سورت ہی لا کر دکھا دو"۔ اور آپ نے اس بات کا چیلنج نہیں دیا کہ اگر تمہیں میری رسالت میں شک ہے تو تم درخت کے سوکھے تنوں سے کلام کرا کے دکھاؤ یا تھوڑے طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کر دو یا غیب کی خبریں لے آؤ۔ لیکن کیونکہ حضورؐ دعوتِ مقابلہ بھی کلامِ الٰہی قرآنِ مجید کے معاملہ میں دیتے تھے اور اِسی کلام کی وجہ سے کفّار آپ کو شاعر اور کلام کو شعر کہا کرتے تھے اِسی لئے خصوصاً شعر کی تعلیم کی نفی ذاتِ رسالتؐ سے کی گئی۔

نمبر2: نبی کریم ﷺ کو تعلیم دینے والا آپؐ کا معلّم اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ ہے پس اللہ

تعالیٰ نے جو چاہا آپؐ کو تعلیم دیا اور جو پسند نہ فرمایا تعلیم نہ دیا۔

نمبر3: علمائے باطن، عارفین و عاشقین کے نزدیک آنحضورؐ کو شاعری نہ سکھائے جانے کا ایک سبب اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شاعر خواہ کتنا ہی مشاق اور بُلند پایہ کیوں نہ ہو، مگر اچھا شعر کہنے میں اُسے کچھ نہ کچھ محنت ضرور کرنا پڑتی ہے۔ اور نہیں تو قافیہ، ردیف اور عروض وغیرہ ہی کا خیال اُسے ضرور رکھنا پڑتا ہے۔ تھوڑی دیر کیلیے ہی سہی مگر جب تک وہ اپنی توجّہات کو شعر کہتے وقت ایک خاص نقطے پر مرتکز نہیں کر دیتا اُس سے شعر گوئی کا حق ادا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں آیا کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم چند لمحوں کیلیے بھی کسی دوسری طرف متوجہّ ہوں اِسی لئے آپ کو سرے سے شاعری ہی نہیں سکھائی گئی۔

نمبر4: منصبِ رسالتؐ اتنا ارفع و بُلند ہے کہ اُس کے مقابلے میں شاعری کوئی کمال نہیں، بلکہ نقص ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مرتبۂ رسالت کے حوالے سے آپ کی ذات سے شاعری کی نفی کی۔

نمبر5: شاعر پہلے الفاظ کو ترتیب دیکر اُسے قافیہ و ردیف کے مطابق موزوں کرتا ہے پھر اُس کے تابع کر کے معانی و مفاہیم کو سوچتا ہے، جبکہ حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے معنی کو ملحوظِ فکر رکّھا جائے، پھر الفاظ اُس کے تابع ہو کر آئیں۔ اور نبوّت و حکمت لازم و ملزوم ہیں، بلکہ نبیؐ خود بھی حکیم ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اِسی لئے شاعری مرتبۂ نبوّت کے منافی ہونے کی وجہ سے آپؐ کو نہیں سکھائی گئی۔

نمبر6: آنحضور ﷺ کو علمِ شاعری نہ سکھانے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ کو کوئی شعر آتا ہی نہ تھا، بلکہ آپ تو صحابۂ کرامؓ کے بعض اشعار کی معنوی اصلاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ آپؐ کو خود شعر موزوں کرنے کا ملکہ نہیں عطا کیا گیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت کعب بن زہیر اسلمی رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ نعتیہ میں عرض کیا ۔

و ان الرسول لنار یستضاء به

و صارم من سیوف الهند مسلول

آپؐ نے ارشاد فرمایا نار کی جگہ نور کہو اور سیوف الہند کی جگہ سیوف اللہ رکھو۔

7: حضور ﷺ کو شعر کہنے پر قدرت دی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر شعر کہنا حرام کیا گیا تھا اِسی لئے آپؐ نے شعر نہیں کہے۔ ورنہ جب کبھی آپ نے مسجّع و مقفّیٰ کلام فرمایا تو عرب کے بڑے بڑے فصحاء حیران اور ششدر رہ گئے، چنانچہ درجِ ذیل چند کلماتِ مبارکہ ہمارے اِس موقف پر دلیل ہیں۔

هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله مالقيت ۔ والله لولا الله ما اهتدينا، ولا تصدقنا ولا صلينا، فانزلن سكينة علينا، وثبتِ الاقدام ان لا قينا ان الاولىٰ قدبغوا علينا، اذا ارادُو افتنة ابينا، يرفع بها صوته ابينا ابينا۔ اللّٰهم لا عيش الا عيش الآخره فاغفرِ الانصارَ والمُها جره۔

نمبر8: بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ وما ینبغی له کی ضمیر "ہ" قرآن کی طرف راجع ہے، یعنی قرآن کا شعر ہونا صحیح نہیں ہے (یعنی قرآن کو شعر کہنا غلط ہے) تفسیرِ مظہری۔

ہم یہاں قارئین کے ذوقِ جستجو کا احترام کرتے ہوئے دو باتیں مزید عرض کرتے ہیں اور اس کے بعد معترضین کی مستدلّہ دوسری آیت کی تشریح پیشِ خدمت کریں گے۔

اوّل: اس بات میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے کہ آیا صرف ہمارے حضرت رسولِ اکرمؐ کی ذات سے شاعری کی نفی کی گئی یعنی آپؐ کو شاعر نہیں بنایا گیا یا تمام انبیاء علیہم السلام کو شعر کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ صرف ہمارے حضرتؐ کی ذات سے نفی کی گئی، کیوں کہ عرب کا شاعرانہ ماحول اُس وقت کی شاعری کا معیار جھوٹے تخیّلات، اخلاق سوز طرزِ کلام اور عُجب و تکبّر سے بھری خلافِ واقعہ باتیں، اِنہی کی وجہ سے حضورؐ پر سے شاعر ہونے کا الزام رفع کیا گیا۔ جب کہ دیگر انبیاء علیم السّلام سے اِس کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ

حضرت آدم علیہ السّلام کے وہ شعر جو انہوں نے اپنے بیٹے ہابیل کی موت پر کہے تھے وہ بھی بعض کتب میں لکھے ہوئے ہیں۔

تغیرت البلاد و من علیها

ووجه الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی طعم و لون

وقل بشاشة الوجه الصبیح

(تفسیر روح المعانی)

اور دُوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ نفی کا حکم عام ہے تمام انبیاء علیہم السّلام کو تعلیمِ شعر نہیں دی گئی، کیونکہ یہی آیتِ مذکورہ بالا ہی عام نفی پر دلالت کر رہی ہے۔

ثانی۔ ہمارے پیغمبر جناب محمدِ مصطفیٰ ﷺ نے بعض اوقات کچھ اشعار اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے (کسی اور شاعر کے) لیکن آپؐ نے ان کو ساقط الوزن فرمادیا۔ یا آپؐ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ساقط الوزن ادا کرایا۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے درجِ ذیل شعر پڑھا۔

ستبدی لك الایام ماكنت جاهلا

و یاتیك من لم تزود بالاخبار

فقال ابوبکر رضی الله عنه لیس هکذا یا رسول الله فقال علیه الصلاة والسلام " انی والله مَا انا بشاعر ولا ینبغی لی۔ پس جناب ابو بکر صدیقؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شعر اِس طرح نہیں ہے (بلکہ اصل شعر میں تو مصرعہ ثانیہ یوں ہے.....ع

ویا تیك بالا خبارِ من لم تزود

آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم ہے، نہ تو مَیں شاعر ہوں اور نہ ہی میرے لئے یہ مناسب ہے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے یہ شعر بطورِ مثل پڑھا۔

كفىٰ بالاسلام و الشيب للمرء ناهيا (اسلام اور بالوں کی سفیدی آدمی کو گناہوں سے روکنے کے لئے کافی ہے) حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! شاعر نے تو اس طرح کہا ہے۔ كفى الشيب والا سلام بالمرء ناهيا۔

آپؐ نے دوبارہ پڑھا تو پھر بھی پہلے ہی کی طرح پڑھا اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ اشهدانك رسول الله ما علمك الشعروما ينبغى لك۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اللہ نے آپؐ کو شعر سکھایا ہی نہیں اور نہ وہ آپ کے شایانِ شان ہے۔ اِسی طرح آپؐ نے ایک دفعہ یہ شعر پڑھا۔

اتجعل نهبى و نهب العبيـــ

د بين الاقرع و عيينة

اس پر بھی جناب ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپ نہ شاعر ہیں نہ راوی اور نہ یہ آپ کے شایانِ شان ہے۔

دوسری آیتِ مبارکہ اُنیسویں پارہ سورۂ شعراء کی ہے۔ وَالشّعرآء يتّبعُهُم الغاوُون یعنی شاعروں کی پیروی تو بے راہ رَو لوگ ہی کرتے ہیں۔ یعنی شاعر لوگ کیونکہ خود گم کردہ راہ ہوتے ہیں اُن کا کلام بے راہ روی کا حاصل ہوتا ہے اِسی لئے اُن کی پیروی بھی بے راہ رَو لوگ ہی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شاعری کوئی مستحسن اور اچھا کام نہیں ہے، بلکہ فى كلِّ وادٍ يهيمون کا مصداق ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ بے شک کافر، مشرک لوگ، زمانۂ جاہلیّت کے بے راہ رَو لوگ اور شعراء یقیناً اِس زد میں آتے ہیں اور آج بھی ایسے شعراء جو کتاب وسنّت کی تعلیمات کے خلاف شاعری کریں، لوگوں میں اخلاقی بے راہ روی پیدا کرنے والے شعر لکھیں یا جو لوگ ایسے شعراء کی آنکھیں بند کر کے تقلید کریں اور مسلّمہ شرعی و دینی عقائد جو کتاب وسنّت سے ثابت ہیں اُن کے خلاف عقائد اپنائیں یا ایسے عقائد کی ترویج و اشاعت کریں اور کتاب وسنّت اور اقوالِ سلف صالحین سے تمسّک کے بجائے شعر و

شاعری سے استدلال کریں وہ یقیناً اس وعیدِ شدید کے مستحق ہیں، مگر یہ وعید بلا تخصیص و تحقیق سب کے لئے نہیں ہے۔ آخر اِلا الّذینَ اٰمَنوا وعمِلوا الصّٰلِحٰت کا استثناء بھی تو کتاب اللہ میں موجود ہے اور صراحتاً تفسیرِ جلالین شریف میں اِس آیت کے زیرِ تفسیر مرقوم ہے۔ اِلا الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰتِ من الشعراء یعنی شعراء میں سے وہ لوگ جو صاحبِ ایمان بھی ہیں اور اعمالِ صالحہ بھی کرتے ہیں۔ وہ اِس وعید کی زَد میں نہیں، بلکہ وہ لوگ تو وذکروا اللّٰہ کثیرًا کی شان والے ہیں، جس کی تفسیر صاحبِ جلالین نے یوں کی أی لم یشغلهم الشعر عن الذّکر یعنی اُن کو شعر و شاعری میں انہماک ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کر سکتا بلکہ وہ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ عبادتِ الٰہی اور ذکرِ ربانی میں بھی مشغول رہتے ہیں اور اپنی شاعری میں بھی بقولِ تفسیرِ مدارک ذکر ہی کرتے ہیں۔ وذکروا اللّٰہ کثیرًا ای کَان ذکراللّٰہ وتلاوۃ القرآن اغلب علیهم من الشعر واذا قالُوا شعرًا قالوا فی توحید اللّٰہ تعالٰی والثناء علیه والحکمة والموعظة والزهد والادب و مدحِ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم والصّحابة وصلحاء الأمّة ونحوِ ذٰلکِ ممّالیس فیه ذنب الخ۔

ترجمہ۔ اُن لوگوں کی شعر گوئی پر ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن غالب ہوتی ہے اور جب شعر کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔ اپنے شعروں میں حکمت و دانائی، پند و نصیحت، دنیا کی بے ثباتی، دنیا سے بے رغبتی اور ادب و احترام کی تعلیم دیتے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ، صحابۂ کرام اور صلحائے اُمّت کی تعریف کرتے ہیں، اور شعروں میں گناہ کی بات یا گناہ پر برانگیختہ کرنے والی بات ہرگز نہیں کرتے۔

چنانچہ حضرتِ حسّان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ تینوں اسلامی شاعر حضورؐ کے صحابی اِس آیت کے نزول کے بعد روتے ہوئے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے آقائے دوجہاںؐ! ہم بھی شاعر ہیں اور شاعروں کی

مذمّت میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو فاَنزل اللّٰه اِلاالّذین اٰمنُوا پس اللہ تعالیٰ نے آیت کا یہ حصہّ نازل فرما کر اُن کی تسلّی کرادی کہ جو شخص صاحبِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والا ہے وہ اِس کی زَد میں نہیں آتا اور کتبِ تاریخ و رجال میں یہ حقیقت موجود ہے کہ چاروں خلفائے راشدینؓ شاعر تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ تو سب سے اچھا شعر کہتے تھے بلکہ آپ کا دیوان بھی موجود ہے۔ اور حضرت حسّانؓ کے لئے مسجدِ نبوی میں منبر بچھایا جاتا تھا حضورؐ خود اشعار سنتے اور اُن کے لئے دعا فرماتے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث شریف کا یہ جملہ خصوصاً قابلِ توجہ ہے۔ قال النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم یوم قریظة لحسّان بن ثابت اُهْجِ المشرکین فانّ جبرئیل معکَ وکان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم یقول لحسّان اجِبْ عنیّ اَللهُمَّ ایّده برُوحِ القدس۔ ترجمہ۔ قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسّانؓ بن ثابت سے فرمایا تُو کفّار کی ہجو کر بے شک جبریل تیرے ساتھ ہے اور جنابِ رسولؐ اللہ حضرتِ حسّان سے فرمایا کرتے تھے میری طرف سے مشرکین کو جواب دو اور آپؐ دعا فرماتے۔ اے اللہ! حسّان کی روح القدس سے مدد فرما۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اچھے اشعار سماعت فرمائے تھے اور سننے کی فرمائش بھی کی تھی۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث شریف حضورؐ کے ذوقِ سماعِ اشعار کا پتہ دیتی ہے۔ وعن عمرو بن الشرید عن أبیه قالَ رَدِفتُ رسُول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یوماً فقال هَل مَعكَ من شعرِ امّیة بن ابی الصّلتِ شییء قلتُ نعم قالَ هیه فأنشدتهٗ بیتًا فقالَ هیه ثم انشدتهٗ بیتًا فقالَ هیه حتّی انشدته مأئة بیتٍ راوہ مسلم۔ ترجمہ۔ حضرت عمرو بن الشّرید سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد کہتے ہیں) میں ایک دن جناب رسولؐ اللہ کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپؐ کے ساتھ سوار تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے اُمیّہ بن ابی الصّلت کا کوئی شعر یاد ہے؟ مَیں نے عرض کی جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا لائیے (سناؤ) مَیں نے ایک شعر پڑھا۔ آپ نے فرمایا اور

سناؤ، مَیں نے اور شعر پڑھا، آپؐ نے فرمایا اور پڑھو حتّٰی کہ مَیں نے ایک سو (100) شعر سنائے اور آپؐ نے سُنے۔ حضرت لبیدؓ کے متعلّق تو آپؐ کا یہ فرمان ہر صاحبِ مطالعہ شخص کے علم میں ضرور ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں یہ متفق علیہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے موجود ہے۔

وَعَن ابی هریرَة قالَ قالَ رسُول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم اَصدقُ کلمةٍ قالها الشاعر کلمة لبیدٍ ؎

آلا کلّ شیئ ما خلا اللّٰه باطل

و کل نعیم لا محالة زائل

ترجمہ۔ حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ ''شعراء کی کہی ہوئی باتوں میں سے سب سے زیادہ سچّی بات لَبید کا یہ کلمہ (جملہ) ہے۔ خبردار! اللہ کے سوا ہر شے فنا کے گھاٹ اُترنے والی ہے اور ہر نعمت آخر کار ختم (زائل) ہونے والی ہے''۔

معلوم ہُوا کہ تمام شاعر اور سب اشعار برُے نہیں، نہ یہ کام فی نفسہٖ برُا ہے۔ بلکہ یہ حکمت و دانائی کی نعمت ہے جس کا اشارہ حکیمِ کائنات ﷺ نے انّ من الشّعر لحکمة سے فرمادیا۔ البتّہ جو اِس حکمت کی نعمت کو غلط استعمال کرے وہ یقیناً ماخوذ اور گرفتارِ عذاب ہوگا جیسا کہ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا۔

وقال عائشه رضی اللّٰه عنها الشعر کلام فمنه حسن و منه قبیح فخذالحسن وَدَعِ القبیحَ یعنی شعر بھی ایک کلام ہے اور کلام اچھا بھی ہوتا ہے اور برُا بھی، پس اُن میں سے اچھا کلام (شعر) قبول کرلو اور بُرے کو چھوڑدو (حاشیہ جلالین) اگر کچھ بُرے اشعار کی وجہ سے سب شاعروں اور شعروں کی برائی کرنا جائز ہے تو پھر ابوداؤد شریف کی یہ حدیث ہمیں کیا بتاتی ہے توجّہ کیجئے۔ وعن صخر بن عبداللّٰه بن بریدة عن ابیه عن جدّه قال سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول انّ من

البیان سحرًا وانّ من العلم جهلًا وان من الشعر حکمًا وانّ من القول عیالًا
(رواہ ابوداؤد) یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ بعض بیان جادو، بعض علم جہالت، بعض شعر حکمت اور بعض باتیں بوجھ ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ علم جسے جہالت کہا گیا وہ یقیناً وہی علمِ مضرّ ہے بقولِ سعدی شیرازیؒ ع...... علمے کہ راہِ حق نماید جہالت است

جیسا کہ علمِ منفی اور علمِ مضرّ کی وجہ سے مطلق علم کی نفیِ فضیلت نہیں کی جاسکتی اِسی طرح بری شاعری کی وجہ سے ہر شاعری کو بُرا نہیں کہا جاسکتا۔ ایک حدیث شریف بھی اِسی مضمون کی دارِ قُطنی نے روایت کی ہے۔

عن عائشه قالت ذُکرَعند رسُول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم الشّعر فقالَ رسُول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم هو کلا مٌ فحسنهٗ حسنٌ و قبیحهٗ قبیحٌ
(رواہ الدار قطنی)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا اس پر آپؐ نے فرمایا وہ (شعر) بھی ایک کلام ہے پس اُس کا اچھا، اچھا ہے اور بُرا، بُرا ہے۔

لہٰذا جو روایات شاعری کی مذمّت میں آئی ہیں اُن کا منشاء و مفاد اِسی قدر ہے کہ بتوں کی پوجا، شہوانی خیالات، آباء واجداد پر فخر و مباہات اور جاہلانہ رسوم کی تعریف میں جو شعر کہے جائیں وہ قبیح ہیں اور جو شعر مضمونِ توحید و رسالت اور پند و موعظت پر مشتمل ہوں وہ اچھے ہیں اُنہیں کسی طرح بُرا نہیں کہا جاسکتا۔

ایک دانشور سے قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات کے پسِ منظر میں شاعری پر بحث چھڑ گئی۔ آخر جب اُن پر معقول دلائل کی تمام راہیں مسدُود ہو گئیں تو اُنہوں نے حضرت امام شافعیؒ کا یہ شعر سنادیا کہ اگر شاعری کوئی فعلِ مُستحسن ہوتا تو وہ یوں نہ کہتے ؎

ولولا الشعرُ بالعلماءِ یُزرِی

لکنتُ الیومَ اَشعرَ مِن لَبیدٖ

کہ اگر شعر گوئی عُلماء کے لئے مُوجبِ عیب نہ ہوتی تو مَیں آج لبیدؔ سے بھی بڑا شاعر ہوتا۔ مَیں نے کہا کہ آپ یہ شعر پیش کر کے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے شعر گوئی کو علماء کے شایانِ شان قرار نہیں دیا اور یہ کہ شعر گوئی ایک امرِ قبیح ہے۔ بولے ہاں۔ مَیں نے کہا کہ یہ نکتہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ امام شافعیؒ یہ بات نثر میں بھی تو کہہ سکتے تھے، آخر شعر میں کیوں کہی؟ اگر اُن کے نزدیک شعر کی کوئی اہمیّت نہ تھی تو اُس کا سہارا کیوں لیا۔ بات نثر میں کیوں نہ کہہ دی؟ اِس سے تو شعر گوئی کی اہمیّت کا ثبوت ملتا ہے اور پھر جب یہ شعر امام شافعیؒ نے کہا تو اُنہوں نے اپنے ہی قائم کردہ اُصول (کہ شاعری علماء کے شایانِ شان نہیں) کے خلاف کیا۔ گویا یہ شعر کہتے ہوئے اُنہوں نے اپنے ہی مرتبۂ علمی کو نظر انداز کر دیا۔ وہ نثر میں یہ فرما دیتے کہ اگرچہ مَیں شعر کہہ سکتا ہوں، مگر مَیں اِس لئے نہیں کہتا کہ یہ کام علمائے دین کی شانِ علم کے منافی ہے، لیکن تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اُنہوں نے بے شمار اشعار کہے۔ بلکہ اُن کے نام سے ایک عربی دیوان بھی منسُوب ہے اور اُن کے درجِ ذیل دو شعر تو اِس قدر مشہور ہیں کہ شاید ہی کوئی صاحبِ علم و ادب شخص اِن سے نا آشنا ہو ۔

يَا أهلَ بيتِ رسُولِ اللّٰهِ حبّكم
فرضٌ مّن اللّٰهِ فی القرآنِ انزلهٗ

یا

لو كَانَ رفضًا حبّ آلِ محمّدٍ
فليشهدِ الثّقلانِ آنّی رافضٌ

میرا تجزیہ سُن کر وہ خاموش ہو گئے۔

مسندِ احمد میں ایک حدیث وارد ہے کہ انّ من البیان لسحرآوانّ من الشعرلحکمۃ کہ بعض بیان جادو اور بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔ چونکہ حضور

علیہ السّلام خود افصح العربِ والعجم ہیں اور آپ کی زبانِ معجز بیان سے نکلا ہوا ہر جملہ فصاحت و بلاغت کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ اس لئے آپ نے بیان کو جادو اور شعر کو حکمت سے تعبیر فرمایا۔ حدیثِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ آپ بیاں کی ساحری اور شعر میں دانائی کو پسند فرماتے تھے۔

علاوہ ازیں دورِ جاہلیّت کے ایک بہت بڑے فصیح و بلیغ خطیب کی تعریف بھی آپ نے فرمائی۔ اِس خطیب کا نام قُس بن ساعدۃ الایادی تھا۔ طائف میں عکاظ کا میلہ ہر سال لگتا تھا۔ تمام فصحائے عرب وہاں جمع ہو کر اپنے اپنے جوہر دکھاتے۔ حضور علیہ السّلام کا ابتدائی دور تھا۔ آپ بھی اُس میلے میں تشریف لے گئے، جب قُس بن ساعد الایادی کی باری آئی اور اُس نے خطاب شروع کیا تو حضورؐ سامعین میں تشریف فرما تھے۔ حدیث شریف میں قُس بن ساعد کے خطاب کا ذکر موجود ہے اور آپ نے اُس کے لئے رَحِمَ اللّٰہ قُسًّا کے الفاظ بھی فرمائے، خطیبِ موصوف نے اپنے خطبے میں بے ثباتیِ دنیا کا ذکر کیا۔

یہ کوئی ایسا موضوع نہ تھا، جسے پہلی بار بیان کیا گیا ہو، مگر قُس بن ساعدہ نے الفاظ کے سہارے اِس مضمون کو کیا بیان کیا، گویا الفاظ کو نگینوں کی طرح جملوں میں جڑ دیا۔ حضورؐ اگرچہ اُس وقت کم عمر تھے۔ مگر بیان کی فصاحت اور زبان کی بلاغت کو سمجھنے کے خداداد جوہر بہ تمام و کمال آپ کی طبعیت مبارک میں موجود تھے۔ یہاں ہم قُس بن ساعد الایادی کے اُس خطبے کو ترجمہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ محض ٹُوٹے پھُوٹے الفاظ میں بات کہہ لینا خطاب نہیں کہلاتا، بلکہ معمولی سی بات کو سلیقے اور فصاحت و بلاغت کے میزان پر تول کر بیان کرنا بیان کا جادو کہلاتا ہے۔ جس کا اعلیٰ ترین ثبوت قرآنِ مجید اور اُسکے بعد حضور علیہ السّلام کی لفظی احادیث جن کو جوامع الکلم بھی کہا گیا ہے۔

قس بن ساعد کا وہ خطبہ جو حضورؐ نے بچپن میں سُنا اور اُسکی تعریف فرمائی۔ اقتباس:

قدیم ادبِ عربی کی کتب میں قس کا خطبہ اِن الفاظ میں درج کیا گیا ہے۔

ايّها الناس : اسمعواوعُوا، انّهٔ من عاش ماتَ ومن مات فات، وكلّ ماهو آتٍ آتٍ، ليل داج، و انهار ساج، واسماء ذات ابراج، و نجومٌ تزهر، وابحارتزخر، وجبال مُرساة، وارض مُدحاة ، وانهار مجراة ، انّ فى السماء لخبراً، وان فى الارض لعبرا، مابال النّاس يذهبون ولا يرجعون؟ ارضُوا فاقاموا، آم ترَكُوا فنامُوا؟ يامعشراياد، أين الآباء والاجداد، واين الفراعنة الشداد؟ الم يكونوا اكثر منكم مالاً ، واطول آجالاً ؟ طحنهم الدهر بكلكله، و مزقهم بتطاوله۔

ترجمہ: (عکاظ کے میلے میں تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا) اے لوگو! سنو اور یاد رکھو جو زندہ ہے وہ مرے گا جو مرے گا وہ دنیا سے چلا جائے گا، جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا، یہ تاریک رات، یہ روشن دن، یہ بُرجوں والا آسمان، یہ چمکنے والے تارے، یہ موجیں مارنے والے سمندر، یہ جمے ہوئے پہاڑ، یہ پھیلی ہوئی زمین، یہ بہتے ہوئے دریا شاہد ہیں کہ یقیناً آسمان میں کوئی خاص قوّت ہے اور زمین میں عبرتیں ہیں۔ آخر یہ لوگ کہاں چلے جاتے ہیں کہ پھر وہاں سے واپس نہیں آتے؟ کیا وہاں رہنے پر رضامند ہوگئے؟ یا پھر دنیا چھوڑ کر سو گئے؟ اے خاندانِ ایاد! تمہارے آباء واجداد کدھر گئے؟ اُن ظالم فراعنہ کا کیا حشر ہوا؟ کیا مال و دولت میں وہ تم سے بڑھ چڑھ کر نہ تھے؟ کیا اُن کی عمریں تمہاری عمروں سے زیادہ لمبی نہیں ہوتی تھیں؟ زمانہ نے سب کو حوادث کی چکّی میں پیس ڈالا اور ان کی جمعیّتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔

آپ نے دیکھا کہ دورِ جاہلیّت کے خُطباء کا مرتبۂ کلام کیا تھا۔ جس طرح بعض لوگوں کی گفتگو میں قدرتی طور پر تاثیر ہوتی ہے کہ وہ بات کریں تو دیر تک اُن کی گفتگو سننے کو جی چاہتا ہے۔ اِسکے علاوہ انسان کا علم و فضل بھی اظہار کا محتاج ہوتا ہے چنانچہ ہماری نظر سے

دیہاتوں کے بعض ایسے غیر تعلیم یافتہ لوگ بھی گزرے اور گزرتے ہیں کہ وہ اپنی مادری زبان میں اِس قدر فصیح و بلیغ گفتگو کرتے ہیں اور پھر اُن کی گفتگو میں اِس قدر جاذبیّت ہوتی ہے کہ ایک زبان وادب کا باذوق سامع اُن کی گفتگو اور اندازِ کلام میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ الفاظ کا برمحل استعمال، لہجے کا حسن، ضرب الامثال، محاورات اور روزمرّہ میں تراشے ہوئے فقروں کا لبھاؤ، ان کا دانائی سے بھرپور اور پُر مغز خطاب انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اِسکے برعکس نظر سے ایسے ایسے تعلیم یافتہ اور عالم و فاضل حضرات بھی گزرتے ہیں کہ انتہائی بھدّی گفتگو کرتے ہیں۔ علمی فضیلت کے باوجود نہ اُن کی گفتگو میں تاثیر ہوتی ہے اور نہ جاذبیّت، جی چاہتا ہے کہ وہ سلسلۂ کلام بند کردیں تو اُن کی نوازش ہوگی۔ نہ کوئی لہجہ، نہ کوئی الفاظ کے چناؤ کا شعور، نہ خوبصورت جملے، نہ ادائیگی کا حُسن، نہ زبان، نہ محاورہ، اور نہ روزمرّہ کے استعمال کی استطاعت۔ یہی حال ہمارے اکثر خطباء کا ہے۔ اِن میں اکثر رٹی رٹائی تقریروں کے عادی ہوتے ہیں۔ غیر مستند واقعات، بعض خلافِ عقل و نقل باتیں اور چند غیر معیاری اشعار اِن کے خطابات کا محور ہوتے ہیں، پھر ستم یہ کہ اشعار بھی اکثر بے وزن پڑھتے ہیں۔ اور پڑھنے کا انداز ایسا بے مزہ اور پھیکا کہ اگر اتّفاقاً وہاں خود شاعر بھی بیٹھا سُن رہا ہو، تو مارنے مرنے پر تُل جائے اور پُکار اُٹھے "اِنّ ھذا لظلمٌ عظیم" قدیم خطبائے عرب جو خطبے دیا کرتے تھے۔ اُن کا مقصد اہلِ زبان پر اپنی زبان دانی ثابت کرنا اور اُن پر علمی و لسانی دھاک جمانا ہوتا تھا۔ وہ اپنے خطابات پر اُجرت نہیں لیا کرتے تھے۔ حالانکہ اُن کے خطبات مذہبی اور دینی قسم کے نہیں ہوتے تھے کہ اُن میں اثر آفرینی کے عناصر بھی ہوتے۔ اِسکے برعکس ہمارے ہاں قرآن و حدیث کے مفاہیم کی چاشنی، الفاظ کی غیر معمولی جاذبیّت اور عقیدت و محبّت کی بنا پر وہ سامانِ ذوق مہیّا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان خطباء دنیوی حرص و ہوا کو کچھ دیر کے لئے چھوڑ کر پوری عقیدت، خلوص اور تیاری سے خطاب کرتے تو یقیناً دلوں کی دنیا بدل کر رکھ دیتے۔ بقولِ علّامہ سیمابؔ ؎

خلوصِ دل سے جو سجدہ ہو اُس سجدے کا کیا کہنا
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں مَیں نے جہاں رکھ دی

مگر آج کل ہوتا یہ ہے کہ خطیب صاحب نے موقع و محل کے مناسب چند تمہیدی جملے کہے، پھر اپنی زبان دانی کے جوہر دکھا کر سامعین کو مرعوب کرنا چاہا، اِس دوران کئی غلط سلط باتیں بھی کہہ گزرے، چوں کہ ایسے خطبات میں للّٰہیت اور خلوص نام کو نہیں ہوتا، اِس لئے سامعین مجبوراً سُن تو لیتے ہیں اور وقتی داد و تحسین سے بھی نواز دیتے ہیں، مگر اُن کے قلوب پر نہ کوئی اثر پڑتا ہے، نہ آنکھ میں کوئی اشکِ نسبت چمکتا ہے اور نہ انابتِ الی اللہ پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے اسباب کے علاوہ اِسکے دو بنیادی سبب یہ ہیں۔ ایک خلوص کا فقدان اور دوسرا علم و بیان میں ناپختگی۔ عربی ادب میں حضرت پیرانِ پیر الشیخ سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ کی دُھوم ہے، حالانکہ حضرتِ شیخؒ کی مادری زبان فارسی تھی اور ایران کے صوبہ گیلان میں ایک غیر معروف گاؤں بُشتتیر میں پیدا ہوئے۔ عجمی ہونے کے باوجود اُنہیں اپنی زبان فارسی کے علاوہ عربی پر اِس قدر یدِ طولیٰ حاصل تھا کہ مستند مورّخین کے مطابق جب وہ منبر پر بیٹھ کر اپنا وعظ شروع کرتے تو کم از کم ستّر (70) ہزار کا مجمع ہوتا، ارد گرد کھڑے لوگ یوں لگتے، جیسے شہر کے گرداگرد فصیل کھینچ دی گئی ہو۔ اُن کے ایک ایک جملے پر اکثر لوگ بے ہوش ہو جاتے، کئی لوگوں پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا اور بعض روایات کے مطابق کئی لوگوں کے جنازے اُٹھ جاتے۔ خوش عقیدہ لوگ تو اِسے حضرتِ شیخؒ کی کرامت کہیں گے۔ مگر یہ محض کرامت نہیں، بلکہ یہ ایک مردِ مومن کی اُس زبانِ حق ترجمان کا اثر ہے، جو اخلاص، بے ریائی اور للّٰہیت کے مقامِ اعلیٰ سے سخن ریز ہوتی ہے اور جس کا رشتۂ تاثیر صاحبِ لسانِ وحی سے جا ملتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ زبان "لسان الفقراء سیف اللّٰہ" کی مصداق ہوتی ہے اور یہ مقام کرامت سے بھی بلند ہے۔ کیوں کہ انبیاء علیہم السّلام کی گفتگو میں اگرچہ قدرتی طور پر ایجاز و اعجاز تھا۔ مگر وہ ہر وقت اور بلا ضرورت اپنے معجزات کا اظہار نہیں فرمایا کرتے

تھے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مخصوص اور منصوص عہدے پر بھی فائز تھے۔
لہٰذا یہ کہنا کہ صوفیائے کرام خطابات میں اپنی کرامت کا اظہار فرمایا کرتے تھے، یہ نقطۂ نظر
قرینِ حقیقت نہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ چونکہ وہ کمالِ اخلاص سے موضوعاتِ دینیہ پر کلام
فرماتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اُن کے ہر جملے میں وہ تاثیر بھر دیتا تھا کہ سامعین کے قلوب تسخیر
کر لیتے تھے۔ چوں کہ بیان اور اسلوبِ بیان کا ذکر چلا تھا۔ اِس لئے نثر و نظم کے علاوہ اہلِ ادب
کی گفتگو اور خطابات پر بھی ضمناً بحث کی گئی، تاکہ قارئین زبان و بیان کی اہمیّت کو سمجھ
سکیں اور پھر یہ اندازہ بھی لگائیں کہ ایک جاندار شعر کہنا کس قدر مشکل کام ہے، ڈھکوسلے
سے کام لیتے ہوئے دو مصرعے کہہ لینا اور بات ہے اور زندۂ جاوید شعر کہنا بالکل اور بات۔
اکثر یہ دیکھا گیا کہ جب ایک نامور شاعر کی عزّت و شہرت دیکھنا برداشت سے باہر ہو جاتی ہے
تو کم علم حاسدین معاشرے میں خود کو بڑا ثابت کرنے کے شوق میں تُک بندی شروع
کر دیتے ہیں یا پھر کسی اچّھے شاعر سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں، جو اُن کو شعر کہہ دیتا ہے اور وہ
اُسے اپنے نام سے منسوب کر کے شائع کر دیتے یا محفلوں میں پڑھواتے ہیں۔ تاکہ لوگ اُن
کو بھی کسی کھاتے میں سمجھیں۔ مگر ایسی شاعری اور شاعروں کی حیاتِ شعری بہت ہی مختصر ہوا
کرتی ہے اور ہر ذی شعور انسان جانتا ہے کہ فلاں شخص شعر کہہ بھی سکتا ہے یا نہیں، کسی کا
اچانک شاعر بن کر سامنے آجانا کوئی ادبی کرامت نہیں ہوتی بلکہ اُس کی اپنی عزّت کی شامت
ہوتی ہے۔ ایسے دھوکہ بازوں کا اصلی چہرہ سامنے لانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انہیں بحر اور
زمین کے علاوہ قافیہ و ردیف دیکر کہا جائے کہ وہ سب کے سامنے بیٹھ کر شعر کہیں، وقت
مقرّر کیا جائے۔ کم از کم سات شعر ایک گھنٹے ہی میں کہہ کر دکھادیں، یا اُنہیں نعتیہ یا غزلیہ
مشاعرے میں دعوت دی جائے، اِس طرح جب وہ اساتذۂ سخن کے درمیان بیٹھ کر اپنا کلام
سنائیں گے تو ماہرینِ سخن اُنکی نہ صرف چوری پکڑ لیں گے، بلکہ اُن کو وہیں ٹھنڈا بھی کر

دیں گے، جس سے اصل اور نقل کا فرق واضح ہو جائے گا۔

مَیں نے جب شاعری کی ابتداء کی تو اُس وقت میری عمر 10 برس تھی۔ جب تیرہ چودہ برس کا ہوا تو فارسی میں ٹُوٹے پھوٹے مصرعے جوڑ لیتا تھا۔ میرے اُستادِ محترم حضرت مولانا فتح محمد صاحب علیہ الرّحمہ اگرچہ عربی اور فارسی ادب کے علاوہ اردو ادبیات پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ مگر طبعاً شعری ذوق بہت کم پایا تھا۔ جب ذرا میری شاعری کی شہرت ہوئی اور حضرت بابوجیؒ کی موجودگی میں میرا کلام محبوب قوال مرحوم پڑھنے لگے۔ تو اُستاد صاحبؒ کو فکر لاحق ہوئی کہ میری ساری توجہّ عربی و فارسی کی درسی کُتب سے ہٹ کر صرف شعری فکر کی نذر ہو جائے گی تو مجھے سختی سے روکنا شروع کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اُس وقت فارسی فاضل کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا اور اُس وقت میری عمر 14 برس کی تھی۔ جب میں شعر گوئی سے باز نہ آیا تو ایک دن استاد صاحبؒ نے پڑھاتے پڑھاتے کتاب بند کر دی اور مجھ سے فرمانے لگے کہ اگر تُو واقعتاً شاعر ہے تو اِس مصرعہ پر میرے سامنے شعر کہہ کر دکھا۔ اُس وقت مولوی ممتاز احمد چشتی میرے ہم سبق تھے۔ اُن کو میرے پاس سے اُٹھا دیا، ایک گھنٹے کا ٹائم دیکر چھڑی لیکر میرے آس پاس گھومنے لگ گئے چھڑی کا سر پر منڈلاتا ہوا خوف اور پھر شعر گوئی کا لطیف ذوق ہر چند یہ دونوں متضاد چیزیں تھیں۔ مولوی ممتاز صاحب کو بھی شعر گوئی سے قدرے مَس تھا۔ اُنہوں نے میری مدد کرنا چاہی، مگر اُستاد صاحبؒ نے اُنہیں میرے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ مجھے یاد ہے کہ استادِ محترمؒ نے خواجہ حافظؔ شیرازیؒ کا یہ مصرعہ بہ طورِ طرح دیا تھا ؏

سینہ مالا مالِ درد است اے دریغا ہمدمے

پورا شعر جو غزل کا مطلع بھی ہے، یوں ہے ؎

سینہ مالا مالِ درد است اے دریغا ہمدمے

جاں ز تنہائی بجاں آمد خدا را ہمدمے

اِسی زمین میں میرے جدِّ امجد حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرہٗ نے بھی غزل کہی،

جس کا مطلع یہ ہے۔

سینہ مالا مالِ درد است و بجوید ہر دمے
درد بر دردِ دگر زخمے بجائے مرہمے

مَیں نے اُس وقت جو مطلع کہا وہ یہ تھا۔

ایکہ نامت بر زبانِ ما غریباں ہر دمے
وے کہ یادت مُونسِ ہر بیدلے در ہر غمے

یہ پوری غزل میرے فارسی مجموعۂ غزلیات ''عرشِ ناز'' میں چھپ چکی ہے۔ چونکہ وہ بالکل ابتدائی دَور تھا، اِس لئے بعد میں جب مجموعۂ کلام میں اُسے شامل کیا، تو مناسب تبدیلیاں بھی کی تھیں۔ صرف بتانا یہ مقصود تھا کہ میری شاعری کا امتحان لیا گیا کہ مَیں شاعر بھی ہوں کہ نہیں اور جب سامنے بٹھا کر اور سر پر کھڑے ہو کر مجھ سے شعر کہلوائے گئے اور میں بحمد اللہ اِس امتحان میں کامیاب نکلا تو اُستاد صاحبؒ کو میرے شاعر ہونے کا یقین ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے سُرخرو کیا اور میں نے یوں گھنٹے میں گیارہ شعر کہہ لئے اور اُستاد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیئے، اشعار پڑھ کر اُستاد صاحبؒ نے مولوی ممتاز صاحب کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا مَیں سمجھتا تھا کہ یہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے اور کسی دوسرے سے شعر کہلوا کر اپنے نام منسوب کر دیتا ہے۔ مگر آج پتہ چلا کہ یہ کم بخت کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہے۔ تب جا کر میری جان چھوٹی۔ مَیں نے اپنے اُستاد بھائی مولوی ممتاز سے اُستاد صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے بعد کہا کہ اگر آج مولانا فتح محمدؒ صاحب جیسے سخت گیر ممتحن کے کاغذوں میں میری شاعری ثابت ہو گئی تو ان شاء اللہ کل میرا شاعر ہونا مسلّم سمجھو۔ چونکہ میری شاعری کا نہ صرف امتحان ہوا، بلکہ وہ بھی سرِ میدان ہوا۔ اس لیے مَیں اُس شاعر کو تسلیم کرتا ہوں جو میدان میں اُتر کر اپنی قابلیّت کے جوہر دکھائے اور اپنی خُداداد علمی و ادبی استعداد کا لوہا منوائے۔ بعض لوگ شعر نہ کہہ سکنے کی صورت میں یہ عذرِ لنگ پیش کرتے ہیں کہ،

بھائی ہم تو آمد کے قائل ہیں آورد کے نہیں۔ جب کبھی طبیعت شعر گوئی پر آمادہ ہوتی ہے اور مضامین کا نزول ہوتا ہے تو شعر کہتے ہیں۔ یہ سب دھوکہ ہوتا ہے اور ایسے لوگ شعر نہ کہہ سکنے کے عیب کو ایسی باتیں کر کے چھپاتے ہیں۔ مشقِ سخن ایسی چیز ہے کہ انسان خلافِ طبیعت بھی شعر کہہ سکتا ہے۔ علّامہ سیمابؔ اور اُن جیسے اکابر اساتذۂ سخن کو یہ کمال حاصل تھا۔ کسی نے امتحاناً یا فرمائش کے طور پر چند شعر کہنے پر اصرار کیا تو اگرچہ وہ ذہنی طور پر شعر کہنے کے موڈ میں نہ ہوتے مگر مشقِ سخن گوئی کا یہ حال تھا کہ بات کرنا اور شعر کہہ لینا اُن کے لیے برابر تھا۔ زبان و بیان پر قدرتِ کامل شعر گوئی کی بنیاد ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اگر شاعر کی اپنی طبیعت شعر گوئی پر آمادہ ہو تو ایسا کلام ہر اعتبار سے بلند تر ہوتا ہے، مگر یہ کہنا کہ جو فطری طور پر موزوں طبع ہو وہ بغیر موڈ کے شعر کہہ ہی نہیں سکتا۔ یہ بالکل غلط اور خلافِ تجربہ بات ہے۔

مَیں نے چند سطور قبل اپنے بچپن کا واقعہ تحریر کیا، ایک تو طبیعت کے خلاف اور پھر عالَمِ ہراس میں شعر کہے تھے۔ جیسے بھی ٹوٹے پھوٹے شعر تھے، مگر بحمد اللہ اوزانِ شعر سے خارج نہیں تھے، بلکہ پورے وزن میں تھے۔ چونکہ میں فطری طور پر موزوں طبع، لَے اور ردَم کی دنیا سے آگاہ تھا، اِس لیے عہدِ طفلی میں بھی مجھے چنداں زحمت نہیں اُٹھانا پڑی۔ اب تو بحمد اللہ میرے لیے خلافِ طبع شعر کہہ لینا بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ امیر زادے اور بالخصوص پیر زادے چونکہ مرکزِ عقیدت ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی خدمات پیش کر کے جویائے قُرب و خوشنودی ہوتا ہے، اِس لیے اِس طبقہ کا کوئی بھی عمل مخدوش ہی ہوتا ہے، بالخصوص شعر گوئی یا نثر نویسی، چاہیئے کہ برسرِ عام اِن کا امتحان لیا جائے، پھر پتہ چلے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ آج تک کون دنیا کو دھوکہ دیتا رہا۔ اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر سامنے آجائے گا۔ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ شعر کو پرکھنا اور اُسے ناقدانہ نگاہ سے دیکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ دیکھا کہ اشعار کے حُسن و قبح پر ایسے لوگ بھی

زحمتِ تکلّم فرماتے ہیں جن کا دنیائے شعر وادب کی ابجد سے بھی واسطہ نہیں ہوتا شعر کہنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ شعر کو وزن میں پڑھ سکنے کی توفیق تک نہیں رکھتے، مگر اچھّے خاصے پختہ کلام پر تنقید فرماتے نظر آتے ہیں۔ بقولِ اکبر ؎

شعر کہہ سکتا نہیں اور مجھ کو کہتا ہے غلط
خود زبانِ معترض ہی خارج از تقطیع ہے

شعر وادب کی دنیامیں فنِّ تنقید ایک الگ اور جدا گانہ موضوع ہے۔ ہر فن کی طرح اس فن کی بھی اپنی اصطلاحات و قیودات ہیں۔ ناقد کو تنقید کرتے وقت درجِ ذیل باتوں پر نظر رکھنا سخت ضروری ہے۔ محسّناتِ کلام، اغلاطِ کلام اور عیوبِ کلام

اغلاطِ کلام کی تین قسمیں ہیں۔ لفظی، معنوی اور ترکیبی۔ عیوبِ کلام کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ مناقضہ، تقدیم و تاخیر، تعقید (پھر تعقید کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی) تضمین (قدماء کے نزدیک معیوب ہے، جدید شعراء بھی چند شرائط کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں) تخلیع، تخالف، تنافر (لفظی و معنوی) غرابت، ضعفِ تالیف، عُدول، وصل، قطع، تخفیف، تشدید ممدودہ، مقصورہ، اسکان اور تحریک وغیرہ۔

اِن سب اصطلاحات کو مع تعریفات وامثلہ جو شخص جانتا سمجھتا ہو، وہی کسی کے کلام پر تنقید کا حق رکھتا ہے نہ کہ ہر ایرا غیرا جو لفظِ تنقید کا لغوی معنیٰ بھی نہ جانتا ہو، چہ جائیکہ اصطلاحاتِ فنِّ تنقید مع تعریفات وامثلہ۔ بقولِ شاعر ؎

قابلیّت ہو تو دیدارِ جمال اچھا ہے
ورنہ اِس کوچے کا پھر ترکِ خیال اچھا ہے

جیسا کہ ہم نے سابقاً عرض کیا کہ باشعور اور باذوق لوگ اچھّے شعر کو سمجھتے بھی ہیں، اُس کی تعریف بھی کرتے ہیں، اِس کے برعکس ایسا کور ذوق اور بے علم طبقہ بھی پایا جاتا ہے جو شاعری کو ایک فضول کام سمجھتا ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی شعر کے بارے میں یہ رائے قطعی

طور پر بے وقعت اور بے معنٰی ہے، کیوں کہ کلامِ موزوں کا مرتبہ اپنی جگہ ایک مسلّمہ امر ہے، جس کی تاثیر سے انکار ممکن نہیں۔ ابتدائے آفرینش سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور رفتہ رفتہ ایک باقاعدہ فن بن کر سامنے آیا۔ ہر ملک ہر تہذیب اور ہر زبان میں شعر گوئی کو ایک مخصوص مقام حاصل رہا اور شاعروں کو امتیازی نظر سے دیکھا گیا۔ جہاں اوراقِ عالم کی صفحہ گردانی اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے، وہاں دنیائے اسلام میں بھی اس کو بہ نگاہِ استحسان دیکھنے کے شواہد ملتے ہیں۔

قرآنِ مجید نے جس شاعری اور جن شاعروں کی پیروی سے روکا ہے، وہ ایک مخصوص ڈگر کی شاعری تھی۔ جس میں اخلاقی اقدار اور توحید و رسالت کی تعلیمات کے برعکس عریانی فحاشی اور غیر اخلاقی مضامین کو بیان کرنا اُس عہد کا دستور بن چکا تھا۔ غیر اللہ کی طرف رغبت، اسباب پر انحصار اور اصنام کی تعریف و توصیف کا عنصر بھی اُس شاعری کا جزوِ اعظم تھا۔ والشعراء یتّبعھم الغاوٗن اِسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ سبع معلّقات اگرچہ زبان اور بیان کے اعتبار سے عربی میں ایک شاہکار کی حیثیّت رکھتے ہیں۔ اشعار کی سلاست، الفاظ کا رکھ رکھاؤ، حسنِ بیان، محاورات کا بَر محل استعمال اور مضمون آفرینی اگرچہ ان کا طُرّۂ امتیاز ہے، مگر قرآن وسنّت کے مفاہیمِ عالیہ کے سامنے اُس دور کی ساری شاعری خاک کے برابر بھی نہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آباء واجداد پر فخر کرنے سے منع فرمایا، مگر اُس دور میں فخر بالآباء کا دستور عام تھا۔ یہاں ہم سبع معلّقہ میں سے ایک معلّقہ کے چند اشعار مع ترجمہ نمونے کے طور پر نقل کرتے ہیں، تاکہ قارئین سمجھ سکیں کہ جس شاعری سے قرآنِ مجید نے منع فرمایا، وہ شاعری کیسی تھی اور اُن شاعروں کے دماغوں میں کس قدر بُوئے نخوت تھی۔ وہ کس قدر اُجڈ، ضدّی اور گنوار قسم کی ذہنیّت کے مالک تھے۔ یہ قصیدہ عمرو بن کلثوم کا ہے۔

1- آلَا لا یعلم الاقوامُ انّا تضعضعنا وانّا قد ونَینا

خبر دار کوئی قوم بھی یہ نہیں جانتی کہ کبھی ہم نے عجز و انکسار کیا ہو یا کبھی اپنے کام میں سستی برتی ہو۔

2- الا لا یجهلن أحدٌ علینا فنجهل فوق جهل الجاهلینا

خبر دار ہم سے کوئی جہالت کا معاملہ نہ کرے، ورنہ ہم (اُن کے ساتھ) جاہلوں کی جہالت سے بڑھ کر جہالت کریں گے۔

3- ورثنا مجد علقمة ابن سیفٍ اباح لنا حُصُون المجد دینا

ہم نے وراثت میں علقمہ بن سیف (سردارِ قبیلہ) کی بزرگی پائی اور اُس نے ہمارے لیے بوجہ قہر و غضب عزت و بزرگی کے قلعے جائز کر دیئے۔

4- ونشربُ ان وردنا الماء صفوًا ویشربُ غیرُنا کدرًا وّطینا

جب ہم پانی (کے گھاٹ) پر پہنچتے ہیں تو پہلے ہم صاف ستھرا پانی پی لیتے ہیں اور بعد میں دوسرے لوگ بچا ہوا میلا اور مٹی والا پانی پیتے ہیں۔

5- الا ابلغ بنی الطمّاح عنّا ودُعمیّاً فکیف وجد تمونا

ہماری طرف سے بنی طمّاح و دعمی (دو عرب قبائل) کو خبر پہنچا دے کہ انہوں نے ہمیں جنگ کے معاملے میں کیسا پایا۔

6- ملأنا البرَّ حتی ضاق عنّا ونحن البحر نملأهٗ سفینا

ہم نے تمام روئے زمین کی خشکی کو اپنی فوج سے ایسا بھر دیا کہ وہ (باوجود وسعت کے) ہم پر تنگ ہو گئی اور اسی طرح ہم نے سمندر کو اپنے قبیلے کی کشتیوں سے بھر دیا۔

7- اذا بلغ الفطام لنا صبیٌّ تخرُّلهُ الجبابرُ ساجدِینا

جب ہمارا بچہ دُودھ چھڑانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو دوسری اقوام کے بڑے بڑے نامور سردار اُس کے سامنے سجدہ ریزی کرتے ہیں۔

8- لنا الدّنیا ومن اضحی علیها ونبطشُ حین نبطش قادرینا

دُنیااور تمام دنیاوالے ہماری مملکت ہیں اور جس وقت ہم کسی کو پکڑتے ہیں اپنی قوّت سے پکڑتے ہیں اور چھوڑتے بھی نہیں (ہمیں اس پر پوری قدرت حاصل ہے)

مندرجہ بالا اشعار پڑھ کر انسان کے ذہن میں وہ تصوّرِ انسانیت نہیں اُبھرتا' جس کا خاکہ قرآن وسنّت نے کھینچا ہے' بلکہ ذہن اِس قسم کے اشعار سن کر تہذیبی اقدار کے بجائے اکّھڑ پن، رعونتِ نسبی اور رذیل صفات کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔ اس لیے رسالت مآب ﷺ نے ایسے کلام کو پسند فرمایا اور اس کی تعریف فرمائی، جس میں دانائی، دلیل اور حکمت ہو اور جسے پڑھ یا سن کر انسان کا ذہن اخلاقی پستیوں کے دلدل سے نکل کر عالی ظرفی، بلند حوصلگی اور صفاتِ عالیہ کی رفعتوں کو چھونے لگے۔ عربی ادب کی نسبت فارسی ادب ایسے اشعار سے بھرا پڑا ہے، جس میں بلند فکر اساتذۂ سخن نے اپنے فطری جوہر دکھاتے ہوئے اس خوبصورتی سے ایک مصرع بہ صورتِ دعویٰ اور مصرعِ ثانی بہ طورِ دلیل پیش کیا ہے کہ عالی اذہان مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں اور اُن کی نادرہ زائیاں اور بلند خیالیاں دیکھ کر بے اختیار سبحان اللہ العظیم کہہ اُٹھتے ہیں۔ یوں تو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ اشعار کہنے والوں کی تعداد بہت ہے، مگر جو اِس میدان کے شہسوار سمجھے جاتے ہیں اُن میں صائبؔ تبریزی، مولانا غنیؔ کاشمیری، مرزا عبدالقادر بیدلؔ اور مولانا جلا الدّین رومیؔ کے اسمائے گرامی سرِ فہرست ہیں۔

اُردو شعراء اگرچہ یہ انداز پیدانہ کر سکے۔ شاید اس کی وجہ اُردو زبان کی تنگ دامانی ہے۔ بہر حال پھر بھی میر ببر علی انیسؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، خواجہ آتشؔ ،ناسخؔ، مصحفیؔ اور اُستاد ابراہیم ذوقؔ کے نام لیے جاسکتے ہیں مولانا غلام قادر گرامیؔ جالندھریؒ کی فارسی رباعیات میں یہ جھلک پائی جاتی ہے اور پھر علاّمہ اقبالؔ کے اُردو کلام کی نسبت فارسی کلام میں یہ انداز پوری قوّت کے ساتھ جلوہ فرما نظر آتا ہے۔ جہاں تک بزرگانِ دین اور صوفیاء کے کلام کا تعلّق ہے تو ایسے لوگوں کے کلام کے سلسلے میں اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں

کہ اِن میں سے بعض وہ حضرات ہیں، جو شاعری کو محض اظہارِ مدّعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اُسی حد تک شعر کہہ لیتے ہیں، اُن کا کلام شعری محاسن کا شاہکار نہیں کہلا سکتا۔ مگر وہ دوسرے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں۔ مثلاً فقہ، حدیث، تفسیر اور دوسرے فنون میں مہارت رکھتے ہیں۔ اور اُنہیں شعر گوئی کا کوئی دعوٰی بھی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں اگر اُن کی شاعری میں وہ فنیّ کمالات نہ بھی پائے جاتے ہوں۔ جنہیں ماہرین اساتذۂ سخن نے لازمۂ سخن قرار دیا ہے۔ تو یہ کوئی اتنا بڑا عیب نہیں کہ جو قابلِ درگزر نہ ہو۔ اگر اُن کا کوئی مصرع ساقط الوزن ہو، یا اُن کا کوئی شعر غرابتِ لفظی کا شکار ہو، ایطائے خفی یا جلی کی زد میں ہو، تقابلِ ردیف کا عیب ہو، یا وہ پوری قوّت سے بات نہ کہہ پائے ہوں۔ کسی مصرعے کی چُول ڈھیلی ہو۔ مضمون کمزور ہو۔ بلند خیالی نہ پائی جاتی ہو، یا شعر میں جاذبیّت مفقود ہو۔ تو ایسے صوفیاء کے کلام کو سُنتے اور پڑھتے وقت درگزر سے کام لینا چاہئے اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ انہوں نے دوسرے علمی میدانوں میں جو فطری جوہر دکھائے ہیں، وہ بھی اپنی جگہ وقیع ہیں۔ بعض ناقدین نے مولانا رومیؒ اور کچھ اُردو اور پنجابی صوفی شعراء کے کلام پر انگشتِ تنقید اٹھائی اور اُسے شائع بھی کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے تمام صوفیاء کا کلام معیارِ سخن گوئی پر کماحقہٗ پورا اترتا ہے، کیوں کہ میں خود بھی اِس دنیا سے اچھا خاصا تعلّق رکھتا ہوں، اس لئے ایسے جلد باز ناقدین سے اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اُن کے کلام کو بحوالۂ شاعری کے محاسنِ سخن کا شاہکار نہیں کہتا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ بعض مصرعے ایسے ایسے بھی کہہ گئے کہ جن پر پورا ادب قربان کیا جاسکتا ہے۔ چند اشعار اور مصاریع بطورِ ثبوت ملاحظہ ہوں۔

شاہ نیاز بریلویؒ فرماتے ہیں۔

نہ مقامِ گفتگو ہے نہ محلِّ جستجو ہے

دلِ بے نوا نے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

بلّھے شاہؒ کا یہ مصرع ...... ع

دِن اگےّ دھر و دوال نی میرا پیا گھر آیا لال نی

یہ مصرع ایسا ہے کہ پورے عربی فارسی اُردو اور پنجابی ادب میں یہ مضمون کسی اور نے بیان نہیں کیا اس مصرعہ کے مضمون کی رفعت اور پھر کیفیت و مستی کو ذرا ناقدین حضرات بچشمِ غور دیکھیں اور پھر انصاف سے فیصلہ دیں کہ کیا وہ ایسا ایک مصرعہ خود بھی کہہ لینے کی توفیق رکھتے ہیں۔ سیف الملوک کے مصنّف اور مشہور پنجابی شاعر میاں محمدؒ کھڑی شریف والوں کا یہ شعر۔

کرنا کرنا ہر کوئی آکھے میں وی آکھاں کرنا
جس کرنے وچ خوشبو ناہیں اُس کرنے کی کرنا

ناقدین اب بولیں کہ ایک پنجابی شاعر نے کرنا اور کرنے کی تکرار سے مضمون میں جو لطف پیدا کیا اور کرنا پھول کو بطورِ علامت استعمال میں لاتے ہوئے، جو خوبصورت نتیجہ نکالا ہے، کیا ایسا شعر آپ بھی کہہ سکتے ہیں؟ یا صرف تنقید ہی کر سکتے ہیں۔

میاں محمدؒ کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

جی کردا تینوں کول بٹھا کے درد پرانے چھیڑاں
ہجر ترا جے پانی منگے کھوہ نیناں دے گیڑاں

مجھے کوئی شخص "کھوہ نیناں دے گیڑاں" کا خیال اور یہ ترکیب عربی، فارسی اور اُردو ادب سے نکال کر تو دکھادے۔

اِسی طرح حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے بھی کلام کہا ہے اور اپنے اپنے موقع و محل کے اعتبار سے خوب ہے، مگر آج بڑے سے بڑا ناقد ذرا درجِ ذیل شعر کو پڑھے اور پھر اِس کا جواب لا کر دکھائے۔

سبحان اللّٰہ ما اجملکَ ما احسنکَ ما اکملکَ
کتھّے مہر علی کتھّے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھّے جا اڑیاں

میرے نزدیک یہ وہ شعر ہے کہ جس پر پورے ادبیاتِ عقیدت کی دنیا قربان کی جا سکتی ہے۔ یہ بات میں خوشامدانہ طور پر نہیں کہہ گیا کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی میرے پردادا ہیں۔ اُس ذات کی قسم جسکے قبضہء قدرت میں ہر ذی رُوح کی جان ہے۔ یہ وہ شعر ہے کہ جسے بار بار سننے سے ایسا لطف پیدا ہوتا ہے کہ جس کا بیان کرنا اُسکے لطف کو کھو دیتا ہے۔ مَیں نے جو کچھ کہا وہ ایک شاعر اور عربی، فارسی اور اُردو ادب کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناتے سے کہا۔ کسی انسان کی بے جا تعریف میری عادت میں داخل ہی نہیں چاہے وہ کوئی شیخ ہو، عظیم صوفی ہو، یا کوئی اور صاحبِ فن ہو، بالخصوص علم وادب کی دنیا میں اگر کوئی شعر کمزور ہو گا تو بانگِ دھل کہوں گا کہ اِس میں فلاں فلاں عیوب ہیں اور یہ معیارِ شعر سے گرا ہوا ہے، چاہے وہ جس کا بھی کلام ہو۔ مَیں صوفیاء کے کمزور اور بے وزن اشعار کو عارفانہ کلام کی چادر میں ڈھانپنے کا قائل نہیں، بلکہ جس کا جو شعر یا جو مصرعہ جس درجے کا ہو اُس کے مطابق اُس کا تجزیہ پیش کرنے کا قائل ہوں۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ نظم و نثر میں محض ابلاغِ مفہوم ضروری ہے، زبان و بیان اور دیگر لوازمِ فن کا ہونا چنداں ضروری نہیں۔ میرے نزدیک یہ عجزِ بیان کا خاموش اعتراف ہوتا ہے۔ ایسی تحریر یا ایسے شعر زیادہ دیر زندہ نہیں رہتے۔ عقیدت مندی کی رَو میں بہہ کر کسی کی نظم یا نثر کو پڑھ لینا اور بات ہے مگر کسی نظم یا نثر کا شہ پارۂ ادب قرار پانا بالکل اور بات ہے۔ نظم و نثر یا خطاب وہ ہوتا ہے جس کی تعریف دشمن کرے۔ قرآنِ مجید کو محض مسلمان عقیدت مندوں کے لئے ہی نازل نہیں کیا گیا کہ وہ اِسے صرف چُوم کر اعترافِ عظمت کر لیا کریں، بلکہ یہ ہدایت کا آخری پیغام ہونے کے ساتھ ساتھ اُن سر پھرے اور بزعمِ خویش زبان و بیان کے ٹھیکیداروں کے لئے ایک عظیم چیلنج بھی تھا، جنہیں اپنی فصاحتِ لسانی اور زبان دانی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے کہا کہ تم میری ایک سورۃ کے مقابلے میں کوئی سورۃ کہہ کر تو لاؤ مگر وہ کسی صورت بھی ایسا نہ کر سکے۔ ہم چونکہ مسلمان ہیں اور ہمارا

یہ عقیدہ ہے کہ قرآنِ مجید کا ایک ایک لفظ اپنے اندر ایک جہانِ معنیٰ لئے ہوئے ہے اور اس کتاب میں ساری کائنات کے اسرار و رموز کا بیان موجود ہے، مگر مشرکینِ مکہ قرآن کی حقیقت کے قائل نہیں ہوئے، کیونکہ اُن کے نزدیک اِس میں ایسی بے شمار باتیں ہیں، جو دُوسرے انسان بھی کہہ سکتے ہیں، گویا معنیٰ اور مفہوم کے اعتبار سے اُن کے نزدیک آیاتِ قرآنیہ اس قدر بلند نہ تھیں مگر جس چیز نے اُنہیں عاجز کر دیا، وہ قرآن کا اسلوبِ بیان، فصاحت و بلاغت، لفظوں کا رکھ رکھاؤ، خوبصورت جملوں اور مختصر الفاظ پر مشتمل آیات کی اثرانگیزی وغیرہ تھی۔ اسی لئے قرآن نے **فأتوا بسورةٍ من مثله** کے الفاظ میں چیلنج دیا۔ اگرچہ آیت الفاظ و معانی دونوں سے تشکیل پاتی ہے، لیکن یہ چیلنج معانی و مطالب کے اعتبار سے نہیں، بلکہ الفاظ اور جملوں کے اعتبار سے تھا، کیونکہ فصحائے عرب کو معانی کے مقابلہ میں الفاظ پر زیادہ ناز تھا، جیسا کہ اِس مقالے میں دیئے گئے عربی اشعار کے مفاہیم سے واضح ہے۔ بعض آیات کے مفاہیم عام سہی، مگر اُن کی ادائیگی کے لئے جن الفاظ کو منتخب کیا گیا اور پھر اُنہیں جس سلیقے سے نظم کیا گیا بلاشبہ وہ انسانی ذہن کیلئے الفاظ و معانی کا ایک حیرت خانہ ہے۔ چنانچہ مشرکینِ مکّہ اگرچہ قرآنی مطالب و مفاہیمِ عالیہ پر تو ایمان لانے سے رہے، مگر قرآن کی معجز بیانی کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیں۔ اِس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ محض ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مفہوم بیان کر دینے سے شعر گوئی یا نثر نویسی یا خطابت کا حق ادا نہیں ہو جاتا، بلکہ قرآنِ مجید کا اسلوبِ بیان اور فصاحت و بلاغت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحرِ ذخّار یہ دعوت دیتا ہے کہ اے انسان! اگر تُو نے کچھ لکھنا یا بولنا ہی ہے تو کسی ڈھنگ سے لکھا اور بولا کر، کیونکہ ہم نے تجھے قوتِ گویائی کے جوہر عطا کئے ہیں، چاہے شعر کہہ، نثر لکھ یا خطاب کر، مگر یہ سب کچھ اِس ڈھنگ سے پیش کر کہ پڑھنے سننے والا بے ساختہ پکار اُٹھے ؎

اعجازِ بیانی سے پتہ چلتا ہے
لفظوں کی روانی سے پتہ چلتا ہے
طاقت ہے ترے ذہن کے پیچھے کوئی
القائے معانی سے پتہ چلتا ہے

بات چوں کہ شعر گوئی اور شعر کے حوالے سے چلی تھی، اس لئے اِسکے متعلق جملہ پہلوؤں سے بات کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ کلام کہنے سننے اور پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے جس کلام کو افصح العرب والعجم ﷺ نے پسند فرمایا اور وہ ایسے اشعار ہیں، جو دانائی، دلائل اور حکمت سے بھرے ہوئے ہوں۔ تاکہ قاری کا ذہن اُن سے کچھ حاصل کرے۔ فلمی گانوں، بے ہودہ اور بازاری قسم کے اشعار اور موسیقی سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ کیوں کہ ایسا کلام اور موسیقی سننا گناہ ہے، جس سے ہوائے نفس بڑھے اور انسان انابت الی اللہ کے بجائے لہو و لعب میں کھو کر رہ جائے۔ ایسے عالی اشعار کا اِشعار اُنہی لوگوں سے ممکن ہے، جو خود باشعور ہوں اور عالی ذہن شعراء کا کلام سمجھنے کی فطری استعداد کے حامل ہوں۔ آخر میں خواجہ آتشؔ کا وہی مصرعہ دہرا کر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ ...... ؎

شعر گوئی کام ہے آتشؔ! مُرصّع ساز کا

یا یہ کہ ؎

بہتریں گوہرِ گنجینۂ ہستیست سخن

گر سخن جاں نبود، مُردہ چرا خاموش است

ترجمہ: انسان کیلئے خزانۂ ہستی کا بہترین موتی سخن (بات کرنا) ہے۔ اگر سخن رُوح کا درجہ نہیں رکھتا تو پھر مُردہ کس لئے خاموش ہے۔ گویا مُردے کا نہ بولنا ہی اُس کی سب سے بڑی دلیلِ مرگ ہے۔

نصیر الدین نصیرؔ کان اللہ لہٗ

تخلیقاتِ نصیر

1- آغوشِ حیرت (فارسی رُباعیات) مطبوعہ

2- پیمانِ شب (اُردو غزلیات) مطبوعہ

3- دِیں ہمہ اُوست (عربی، فارسی، اُردو، پنجابی نعتیں) مطبوعہ

4- امام ابُوحنیفہؒ اور اُن کا طرزِ استدلال (اُردو مقالہ) مطبوعہ

5- نام و نَسَب (سیادتِ غوثِ پاکؒ کے تحقیقی ثبوت، نکاح سیدہ کی شرعی حیثیت اور شیعہ و خوارج کے عقائد کا تفصیلی جائزہ) مطبوعہ

6- فیضِ نسبت (عربی، فارسی، اُردو، پنجابی مناقب) مطبوعہ

7- رنگِ نظام (قرآن و حدیث کی روشنی میں اُردو مجموعہ رُباعیات) مطبوعہ

8- عرشِ ناز (فارسی، اُردو، پُوربی، پنجابی اور سرائیکی میں متفرق کلام) مطبوعہ

9- دستِ نظر (اُردو غزلیات کا نیا مجموعہ) مطبوعہ

10- راہ و رسمِ منزل ہا (تصوّف اور عصری مسائل) مطبوعہ

11- حضرت پیرانِ پیرؒ کی شخصیت سیرت اور تعلیمات (ایک ایمان افروز اور شرک سوز مقالہ) مطبوعہ

12- موازنہِ علم و کرامت (مقامِ علم گھٹانے والوں کیلئے تازیانۂ عبرت) مطبوعہ

13- کیا ابلیس عالم تھا؟ (اربابِ علم و اصحابِ تحقیق کے لئے پیغامِ مباہات) مطبوعہ

14- اسلام میں شاعری کی حیثیت (ایک انوکھا اور اچھوتا تحقیقی مقالہ) مطبوعہ

15- قرآنِ مجید کے آدابِ تلاوت (قرآنِ مجید کی رفعت و عظمت قلوب و اذہان میں جاگزیں کرنے والا رسالہ) مطبوعہ

16- لفظِ اللہ کی تحقیق (متلاشیانِ راہِ حق کے لئے سامانِ تحقیق) مطبوعہ

نابغۂ روزگار، محقّق العصر

علّامہ پیر سیّد نصیر الدّین نصیرؔ گیلانی

کے سمندِ قلم کی ایک اور منزل رساں جست

رسالۂ مبارکہ

مسئلۂ ختمِ نبوّت کا تجزیاتی مطالعہ

عنقریب شائقینِ علم و ادب کے ذوق

کی تسکین کیلئے منظرِ عام پر آرہا ہے

Designed by Graphic Links

ناشر: ادارہ طُلوعِ مہر

دربارِ عالیہ، گولڑہ شریف، E-11 اسلام آباد، پاکستان